ہمارے زمانے کی غلامی

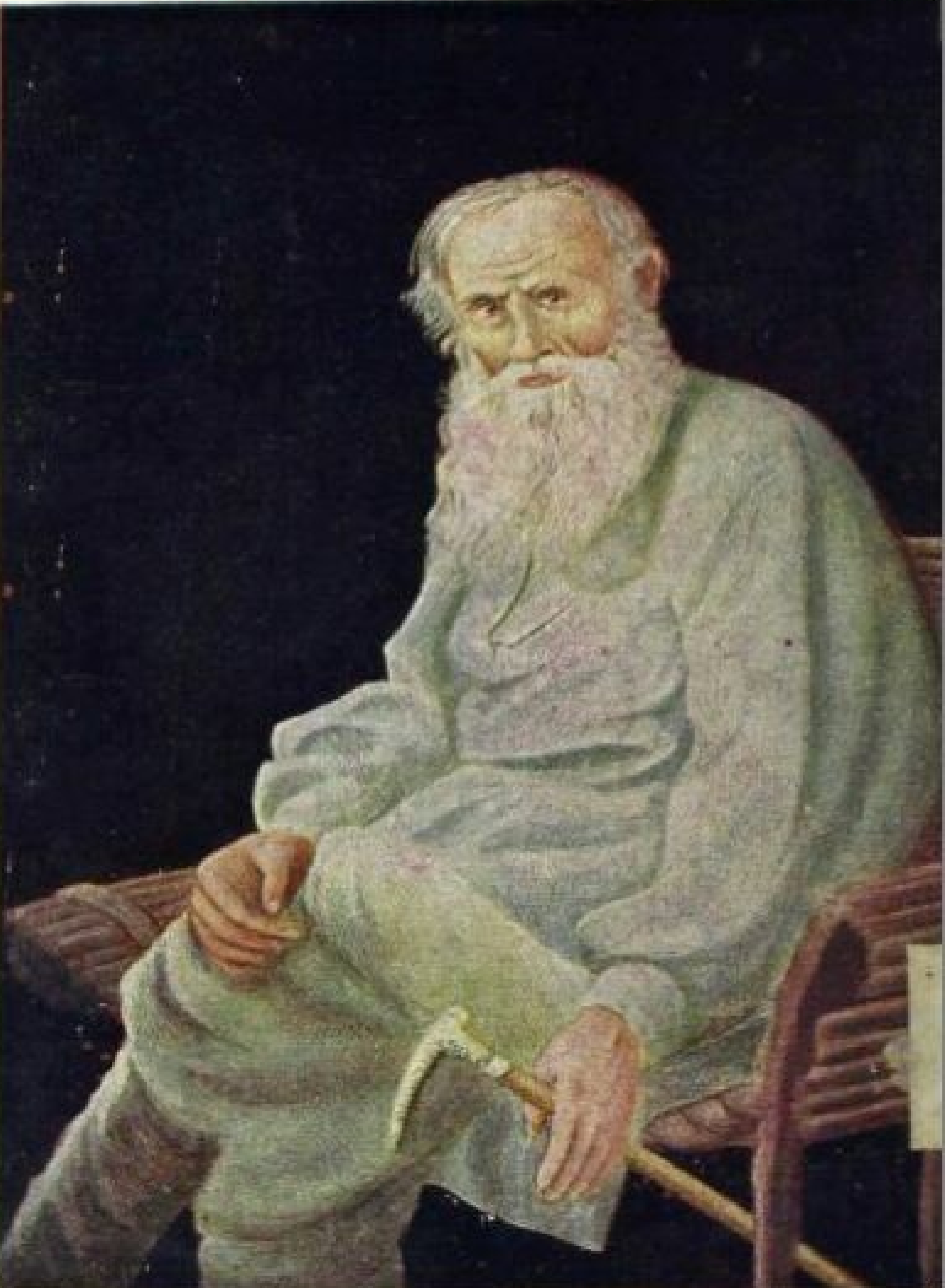

ٹالسٹائی

My LIBRARY

Rare Books' Collection

Pdf Made By: Muhammad Asif

Group Name: My Library

Id Contact: M.Asif.007

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	زمانہ حال کی غلامی موجودہ طریق کی تائید میں	۳	۱۰	آئین سازی کی بنیاد تشدد منظم ہے!	
۲	فلسفے سے مدد		۱۰	گورنمنٹیں کیا چیز ہیں؟	
۳	کارخانے			کیا گورنمنٹوں کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے؟	
۴	سوشلسٹ کیا کہتے ہیں		۱۲	گورنمنٹیں کیونکر دور کی جائیں	
۵	سوشلسٹ [illegible] کا دیوالہ		۱۳	آگ کو آگ سے بجھانا	
۶	تہذیب یا آزادی		۱۴	وہ فریب کیا ہے؟	
۷	غلامی کیا ہے؟			ڈسپلن کی کیوں اتنی قدر کی جاتی ہے	
۸	اراضی جائیداد اور ٹیکس کے قوانین		۱۵	ہر شخص کو کیا کرنا چاہیے؟	
۹	یہ قوانین ہی غلامی کا سبب ہیں		۱۶	خاتمہ	

اوم

(۱)

زمانۂ حال کی غلامی

انگلستان کے کوائف و شمار و اعداد سے واضح ہوتا ہے۔ کہ طبقہ اعلیٰ کے آدمیوں کی اوسط عمر ۵۵ سال ہوتی ہے۔ اور مزدوری پیشہ جماعتوں کے آدمیوں کی عمر اوسط جو مضر صحت پیشوں میں مصروف ہیں۔ ۲۹ سال کی ہے۔

اس بات کا علم ہونے کے بعد ہم لوگ سب ان چیزوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ جن کے مہیا کرنے میں اس قدر انسانی جانیں تلف ہوتی ہیں البشرطیکہ ہم وحشی درندے نہ ہوں) کیونکر چین آ سکتا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ہم فارغ البال لوگ جو آزاد خیال اور ہمدرد نوع انسان کہلاتے ہیں اور نہ صرف انسانوں کی بلکہ حیوانوں کی تکلیف کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ان مزدوروں کے برابر کام لئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مالدار بننے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور ہمیں انکا ترس نہیں

آتا ہے۔ مثلاً جب ہم سُنتے ہیں کہ بعض ملازمان ریلوے کو ۲۰ گھنٹے مسلسل کام کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ مفرِ صحت نہیں رہتے ہیں۔ تو ہم فوراً ایک انسپکٹر تحقیقات کے لئے روانہ کرتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو ۱۲ گھنٹے سے زیادہ کام کرنے سے منع کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے سے مزدوروں کی ایک تہائی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ ہماری بلا سے کہ وہ کس طرح گذارہ کریں۔ ہم ریلوے کمپنیوں کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے ملازموں کے لئے بڑے بڑے آرام دہ کمرے تعمیر کرائیں۔ اور پھر اس ریل کے ذریعہ بڑی دلجمعی کے ساتھ اپنا مال منگاتے ہیں۔ اور ہم منافعے۔ مکانات کے کرائے اور مالیہ اراضی وصول کرتے رہتے ہیں۔ جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ریشم کے کارخانوں میں جو عورتیں اور لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ انہیں اپنے گھر سے دُور رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی زندگیاں خراب کر لیتی ہیں۔ اور دھوبنیں جو ہماری قمیصوں پر استریاں کرتی ہیں اور کمپوزیٹر جو کتابوں اور اخباروں کے چھاپنے میں مدد دیتے ہیں ان میں سے اکثر تپ دق میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ہم صرف شانہ ہلا کر صرف یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ بڑا افسوس ہے۔ لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اور ہم دلجمعی کے ساتھ ریشمی کپڑے خریدتے رہتے ہیں۔ استری شدہ قمیص پہنتے رہتے اور اخبارات بدستور پڑھتے ہیں۔ دکانوں کے ملازموں سے زیادہ گھنٹے کام لیا جائے۔ یا بچوں کو مدرسہ میں زیادہ دیر ٹھیرایا جائے تو ہم فوراً اعتراض کرتے ہیں ؀

ہم چھکڑے چلانے والوں کو بھاری بوجھ لادنے سے منع کرتے ہیں۔ کہ گھوڑوں کو تکلیف نہ ہو۔ بلکہ ہم یہ بھی انتظام کرتے ہیں کہ مذبحوں

ہیں جانور اس طرح ذبح کئے جائیں۔ کہ انہیں کم تکلیف محسوس ہو۔ لیکن کس قدر حیرانی کی بات ہے۔ کہ ہم اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ جب ان کروڑوں مزدوروں کا ذکر آتا ہے۔ جو ہمارے چاروں طرف آہستہ آہستہ اور اکثر عذاب کے ساتھ ان کاموں میں فنا ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی مشقتوں کے ماحصل کو ہم اپنی آسائشوں اور تفریحات کے طور پر استعمال میں لاتے ہیں۔

(۳)

موجودہ طریق کی تائید میں فلسفہ سے مدد

ہم لوگ جو مزدوری پیشہ لوگوں کی تباہی سے اس قدر بے پرواہ رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ جب لوگ کسی جماعت پر ظلم کرتے ہیں۔ تو ایسا ہمیشہ ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک فلسفہ ایجاد کر لیا کرتے ہیں۔ جس کے اصولوں کے مطابق وہ اپنے جور و جبر کو جائز ٹھیرا لیتے ہیں۔ اور بعد رمیش کردیتے کہ یہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔ زمانہ قدیم میں محنتی آدمیوں کی فلاکت اور مصیبت کی یہ وجہ بیان کی جاتی تھی۔ کہ مشیت ایزدی میں کچھ چارہ نہیں ہے۔ یہ خدا کی مرضی ہے۔ کہ بعض لوگوں کی تقدیر ایسی بنائی گئی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ تنگدست رہیں۔ اور سخت سے سخت مشقت کے کام کیا کریں اور بعض کو اس نے اپنی مہربانی سے اعلےٰ رتبے اور اعلےٰ حیثیت عطا کی ہے۔ تاکہ وہ عیش آرام اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ اس مسئلہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ اور بے شمار وعظ کئے گئے۔ غرضیکہ ہر پہلو سے

اِس خیال کو معہ بوط دلائل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور کہا کہ خدا نے دنیا میں مختلف قسم کے آدمی پیدا کئے ہیں۔ ایک غلام اور دوسرے آقا۔ اور دونوں کو اپنی اپنی تقدیر پر شاکر رہنا چاہیئے۔ اور تسلی دی گئی۔ کہ دوسری دنیا میں غلاموں کی حالت بہتر ہوگی۔ بعد میں ایک لقمہ یہ بھی دیا گیا۔ کہ غلام اگرچہ غلام ہیں۔ اور انہیں اسی حیثیت میں رہنا چاہیئے لیکن آقا لوگ اگر اِن سے مہربانی سے پیش آئیں۔ تو ان کی حالت چنداں بُری نہ رہے گی۔ اور جب غلامی کا طریق مذموم قرار پایا۔ اور وہ آزاد کر دیئے گئے۔ تو یہ مسئلہ گھڑا گیا۔ کہ خدا نے بعض لوگوں کو دولت اِس مطلب سے عطا کی ہے۔ کہ وہ اِس کے ایک حصّے کو بخشش اور خیرات میں صرف کیا کریں اِس لئے اگر کچھ لوگ امیر ہوں۔ اور کچھ غریب تو اِس میں نقصان ہی کیا ہے اِس فلسفہ سے بڑی مدت تک امیر اور غریب (خاصکر امرا) مطمئن رہے۔ لیکن ایک زمانہ آیا۔ کہ یہ ہتھیار بھی کند ہو گیا۔ اور لوگوں کی اِس خیال سے تسلی نہ ہوتی (خاصکر غربا کی) اِس لئے نئے فلسفہ کی ضرورت تھی۔ اور عین موقعہ پر وہ بھی تیار کر دیا گیا۔ یعنی ایک نیا سائنس ایجاد ہوا۔ جسے پولیٹکل اکونومی یا علم اقتصاد کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس میں یہ دعوے کیا گیا۔ کہ ایسے قوانین قدرت میں موجود ہیں جن سے محنت کی تقسیم اور محنت کے ثمرات کی نوع انسان کے مابین تقسیم ہوا کرتی ہے۔ اِس سائنس کے مطابق وہ قوانین یہ ہیں۔ کہ محنت کی تقسیم اور اس سے جو چیزیں مہیا ہوتی ہیں۔ ان کی حالت ہر شے کی سپلائی اور ڈیمانڈ (پیداوار اور مانگ) سرمایہ۔ کرایہ۔ مزدوروں کی اجرت اِس کی قیمت۔ منافع وغیرہ پر انحصار رکھتی ہے۔ یعنی اِس کا دارومدار چند اٹل قوانین پر ہے۔ جو انسان کی اقتصادی سرگرمیوں پر حادی ہیں:-

اِس خیال نے کہ بعض لوگ دوسرے لوگوں کے مالک اور آقا ہیں۔ بڑی مدت تک لوگوں کو مطمئن رکھا۔ لیکن چونکہ اِس خیال کی رو سے بیرحمی کو حق بجانب ٹھیرایا گیا تھا۔ اِس لئے آقا غلاموں کے ساتھ بیرحمی سے پیش آنا جائز سمجھتے تھے۔ اور جب کسی پر بیرحمی کی جائے۔ تو لازمی طور پر بیزاری اور مزاحمت پیدا ہوگی۔ اِس لئے جب غلاموں پر سختیاں ہونے لگیں اور اُن کو اس سے تکلیف پہنچی۔ تو ان کو اس مسئلہ کی صداقت میں شکوک پیدا ہوئے ؂

یہی حال اِس فلسفہ کا ہوگا کہ اٹل قوانین نے ذریعہ ایک اقتصادی ارتقا ظہور میں آئیگا۔ لہذا بعض لوگوں کو سرمایہ فراہم کرنا چاہیئے۔ اور دوسروں کو تمام عمر محنت کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ سرمایہ بڑھتا رہے۔ اور اس زمانہ کا صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے۔ جبکہ اشیاء کے مہیا کرنے کے ذرائع اشتراکی صورت اختیار کرلیں گے۔ اِس مسئلہ نے بعض لوگوں کو دوسرے آدمیوں کے لئے زیادہ بیرحم بنا دیا ہے۔ اور اِس کی نسبت بھی خاصکر ان لوگوں کے دلوں میں جو پولیٹکل کرزوری سے آمنی ہیں۔ شکوک پیدا ہونے لگے ہیں ؂

(۳)

کارخانے

مزدوروں کی ذلت آمیز مصیبت ناک حالت کا سبب یہ نہیں ہے۔ کہ اہل سرمایہ کا کارخانوں پر قبضہ ہے۔ بلکہ اصلی سبب وہ ہے۔ جو

ان کو دیہات سے نکال کر شہروں میں لے جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مزدور لوگوں کو اس حالت سے نجات اس طرح نہ مل سکے گی۔ جیسا کہ فلسفۂ اقتصاد مستقبل بعید میں امید دلاتا ہے۔ اور نہ کام کے گھنٹوں میں کمی کرنے یا اجرتوں میں اضافہ کرنے سے اور نہ کارخانوں کے اشتراکیت کے اصول پر لانے سے ان کے دُکھ دُور ہو سکیں گے۔ ان باتوں سے ان کی حالت ترقی نہیں کر سکتی۔

لیکن ریلوے کا کام ہو یا ریشم کے کارخانے کا یا کسی ورکشاپ کا۔ کم یا زیادہ گھنٹوں کا سوال نہیں ہے۔ کاشتکار بعض دفعہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں۔ اور ۳۶ گھنٹے لگاتار کام کر کے بھی اپنی زندگی میں مگن رہتے ہیں۔ اور نہ اجرت کی کمی کا ہی سوال ہے۔ اور نہ اس وجہ سے کہ ریلوے یا کارخانہ ان کی اپنی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ راز یہ ہے کہ ان کو مضرت رساں اور غیر طبعی حالات بلکہ بعض دفعہ خطرناک حالتوں میں کام کرنا ہوتا ہے۔ جن میں زندگی تلف ہو جاتی ہے۔ اور ان کو شہروں کے اندر بارکوں میں رہنا پڑتا ہے۔ جہاں انواع واقسام کی ترغیبوں اور بداخلاقیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اور ان کو اپنی طبیعت کے خلاف دوسروں کے حکم کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ سے کام کے گھنٹے گھٹا دئے گئے ہیں۔ اجرتیں بڑھ گئی ہیں۔ لیکن اس سے مزدوروں کی حالت میں کچھ بہتری نظر نہیں آتی البتہ وہ جیب گھڑیاں لٹکانے لگے ہیں۔ بیر پینے لگے ہیں۔ تمباکو نوش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی صحت اور ان کے اخلاق اور سب سے بڑھ کر

یہ کہ ان کی آزادی میں ذرا ترقی نہیں ہوئی۔ بلکہ شہری کارخانوں کے مزدوروں کی صحت دیہات کے مزدوروں کی نسبت ہر جگہ خراب ہے ان کی اوسط عمر کم ہے۔ اور لازمی طور پر ان کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو حالتیں اخلاق کی محافظ ہیں۔ یعنی خانگی زندگی یا صحت بخش زراعتی کام ان سے وہ محروم ہو جاتے ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ درست ہو۔ جیسا کہ ماہران علم اقتصاد کہتے ہیں۔ کہ کام کے گھنٹوں میں تخفیف ہو جانے اور شرح اجرت بڑھ جانے اور کارخانوں اور فیکٹریوں میں حفظان صحت کی حالتوں میں ترقی ہونے سے سابقہ حالتوں کی نسبت مزدوروں کی صحت اور اخلاق میں کچھ ترقی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے بعض مقامات میں دیہاتی آبادی کی نسبت ظاہری طور پر کارخانوں میں کام کرنے والوں کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ مگر یہ محض اس وجہ سے ہے۔ کہ گورنمنٹ نے اور سوسائٹی نے محض چند مقامات پر دیہات کی آبادی کی بدولت کارخانوں کے مزدوروں کی حالت کو سائنس کے اصولوں سے متاثر ہو کر بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر کارخانوں کے مزدوروں کی حالت چند مقامات پر محض بیرونی طور پر بہتر ہو گئی ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ہر قسم کی پابندیوں سے مزدوروں کی زندگی کو تلخ بنانا ممکن ہے۔ اور کوئی ایسی غیر طبعی حالت نہیں ہے۔ جس کا چند نسلوں کے بعد انسان عادی نہ ہو جائے۔

مخفی نہ رہے کہ کارخانوں کے کاریگروں یا شہری مزدوروں

کی خراب حالت کام کے گھنٹوں کی زیادتی یا اجرت کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے خراب ہوتی ہے۔ کہ وہ زندگی کی طبعی حالتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو دوسرے آدمیوں کے حکم پر مجبور ہو کر بے لطف کام کرنے ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ وہ قدرتی نظاروں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور کارخانوں کی پابندیوں میں جکڑے جاتے ہیں ⁂

پس اس سوال کے اندر کہ شہری مزدوروں کی حالت اس قدر مصیبت ناک کیوں ہے۔ یہ سوال مضمر ہے۔ کہ وہ کیا اسباب ہیں۔ جنہوں نے انہیں دیہات سے نکالا۔ جہاں وہ اور ان کے آباؤ اجداد مدت سے رہتے تھے۔ اور جہاں روس کے باشندے بڑی تعداد میں ابھی تک آباد ہیں۔ آخر وہ کیا شے ہے؟ جس نے انہیں اپنے گھر سے نکالا۔ اور اُن کی اپنی مرضی کے خلاف برابر نکال رہی ہے۔ کہ وہ کارخانوں میں جاکر کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر انگلستان۔ بلجیم اور جرمن میں ایسے کاریگر ہیں۔ جو کئی نسلوں سے کارخانوں میں کام کر کے اوقات بسر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اپنی مرضی سے ایسا نہیں کرتے بلکہ محض اس لئے کہ ان کے باپ دادا کسی طرح سے زراعتی کاروبار چھوڑ کر۔ جن سے انہیں دلبستگی تھی بے لطف زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے تھے ⁂

کارل مارکس لکھتا ہے۔ کہ اوّل دیہاتی لوگ جور و ظلم کی وجہ سے اراضی سے محروم کئے گئے۔ وہ بیچارے آوارہ گرد اور وجہ معاش

سے تنگ ہو گئے۔ اور پھر جابرانہ قوانین کے ذریعہ گرم لوہے سے داغ دیئے جانے اور تازیانے لگائے جانے پر۔ اجرت پہ مزدوری کرنے پر مجبور ہوئے پس اِس سوال پر غور کرتے ہوئے کہ مزدوروں کو ان کی قابل رحم حالتوں سے کیونکر آزاد کرایا جائے۔ یہ سوال سامنے آجاتا ہے۔ کہ اِن اسباب کو کسی طرح دُور کیا جائے۔ جن سے بعض لوگ دیہات چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور روزبروز ہوتے جاتے ہیں۔ اور باقی تمام کاشتکاروں کو اِس حالت سے جس کو وہ اچھی خیال کرتے ہیں۔ اِس حالت میں جس کو بُرا خیال کرتے آئندہ منتقل ہونے کی دھمکی دے رہے ہیں۔

فلسفہ اقتصاد اگرچہ سرسری طور پر اِن اسباب کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے کاشتکاروں کو دیہات سے نکالا لیکن اسباب کی پروا نہیں کرتا۔ کہ اِن اسباب کو کس طرح دُور کیا جائے۔ اور اپنی تمام تر توجہ موجودہ کارخانوں اور ورکشاپوں میں کاریگروں کی حالتوں کی درستی کے لئے وقف کرتا ہے۔ یہ مان کر کہ اِن کارخانوں اور ورکشاپوں میں کاریگروں کی حالت ناقابل برداشت ہے۔ اور جو لوگ وہاں موجود ہیں۔ ہر حالت میں ان کو وہاں رہنا ضروری ہے۔ اور آئندہ جو لوگ زراعتی زندگی کو چھوڑ کر دیہات سے آئینگے۔ وہ بھی انہیں مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے۔

علاوہ ازیں فلسفہ اقتصادیات کو یقین ہے۔ کہ لازمی طور پر تمام دیہاتیوں کو شہروں کے کارخانوں میں مزدوری کرنے آنا پڑے گا۔ حالانکہ دنیا بھر کے مہاتما پرشوں اور شاعروں نے شادمانی کے آدرش کو زراعت کے کام میں بتلایا ہے۔ اور باوجودیکہ تمام مزدور جن کی عادتیں خراب نہیں ہو گئیں۔ ہمیشہ زراعت کے کام کو دوسری تمام قسم کی مشقتوں پر

ترجیح دیتے رہے ہیں۔ اور اب بھی دیتے ہیں۔ باوجودیکہ کارخانوں کے کام مضر صحت اور تکان پیدا کرنے والے ہیں۔ اور زراعت کا کام آزادی کا کام ہے۔ کہ کاشتکار اپنی مرضی سے محنت کرتے اور جب دل میں آئے آرام کرتے ہیں۔ لیکن کارخانوں کے مزدور خواہ کارخانہ ان کی اپنی ہی ملکیت ہو۔ ہمیشہ مجبور ہے کہ کام کرے۔ کیونکہ وہ مشینوں پر انحصار رکھتا ہے۔ حالانکہ کارخانوں کے کام فروعی اور زراعت کا کام بنیادی ہے اور اس کے بغیر کوئی کارخانہ نہیں چل سکتا۔ تاہم فلسفہ اقتصاد کہتا ہے کہ تمام باشندگان دیہات کو دیہات سے شہروں میں جاکر کام کرنے سے نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ وہ خود اس کے خواہشمند ہوتے ہیں ؛

(۴)

سوشلسٹ کیا کہتے ہیں؟

آزاد خیال ماہران علم اقتصاد یعنی سوشلسٹ لوگ بھی جو اشیاء کے بہم پہنچانے کے وسایل کی مکمل آزادی کے خواہشمند ہیں۔ وہ ان چیزوں کے جو اس وقت مہیا کی جاتی ہیں۔ جاری رکھنے اور کارخانوں کے جاری رہنے اور محنت کی موجودہ تقسیم کے حق میں ہیں ؛

اُن کے خیال میں فرق صرف یہ ہوگا۔ کہ زمانہ مستقبل میں نہ صرف وہ بلکہ تمام آدمی تمام سامان آسائش سے مستفید ہوسکیں گے۔ اُن کا خیال یہ ہے۔ کہ اشیاء کے بہم پہنچانے کے وسائل کو شترکہ

ملکیت میں لانے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سائنس دانوں اور حکمران جماعتوں کو بھی کچھ نہ کچھ کام کرنا پڑے گا لیکن محض منیجروں اور نقشہ بنانے والوں اور مصوروں کے طور پر۔ لیکن وہ اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ بندوقیں کون لوگ اٹھائیں گے۔ جنگ کون کریں گے۔ کان کنی کا کام کون لوگ کریں گے اور بیت الخلا صاف کرنے والے کون لوگ ہونگے؟

اُن کے خیال کے مطابق مزدور لوگ سب یونینوں اور انجمنوں میں شامل ہو جاویں گے۔ اور اُن کے مابین اتحاد قائم ہو جائیگا اور وہ ہڑتالوں کے ذریعہ اپنے اتحاد کا ثبوت دینگے۔ حتیٰ کہ وہ جملہ وسائل پیداوار پر اور زمین پر قابض ہو جائیں گے۔

اور پھر ان کو اس قدر کافی خوراک ملے گی۔ اور نفیس لباس اور وہ تعطیلوں کے دن اس قدر سیر و تفریح کیا کرینگے۔ کہ وہ دیہات کی آزاد زندگی پر جو درختوں اور خانگی حیوانات کے درمیان ہے شہروں کی زندگی کو ترجیح دینگے۔ جہاں انیٹیں بنائی جاتی ہیں اور چمنیوں سے دھوئیں نکل رہے ہیں۔

اگرچہ یہ خیال پورا ہونا غیر اغلب ہے۔ جیساکہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ سخت مشقت کے عوض میں مزدوروں کو کافی مزدوری دینے سے اُن کی تمام تکالیف کی تلافی ہو جائیگی۔ تاہم ہماری سوسائٹی کے اہل علم و فضل ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں جیساکہ زمانہ گذشتہ کے لوگ یقین کرتے تھے کہ مزدوروں کو دوسری دُنیا میں سورگ پراپت ہوگا۔

خوشحال طبقوں کے آدمی اور اہل علم ایسا یقین اس وجہ سے رکھتے

ہیں۔ کہ یہ باور کرنے کے سوا اُن کو چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے سامنے یہ معمہ درپیش ہوتا ہے۔ کہ یا تو جن چیزوں کو وہ استعمال میں لاتے ہیں۔ مثلاً دیا سلائیاں اور سگرٹ سے لے کر ریلوے تک یہ سب چیزیں محنت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جن کے تیار کرنے میں بہت سے انسانوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اور چونکہ وہ اُن کے بنانے کی مشقت میں خود شریک نہیں ہوتے۔ تاہم انہیں استعمال میں لاتے ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر وہ دیانتدار نہیں رہتے۔ یا ان کو یہ یقین کرنا پڑتا ہے۔ کہ جو کچھ چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ وہ فوائد عامہ کے لئے ہیں۔ اور علم اقتصاد کے اٹل قوانین کے موافق ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ اہل سائنس اور عقلمند اور تعلیم یافتہ لوگ اس غلطی کے تسلیم کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کہ مزدوروں کو اپنے فائدے کے لئے اپنی صحت بخش اور شادمان زندگی کو چھوڑ کر فیکٹریوں اور ورکشاپوں میں اپنے جسم اور روح کو برباد کرنے کے لئے جانا چاہیئے۔

(۵)

سوشلسٹ اصولوں کا دیوالہ

اگر یہ مان بھی لیا جائے (حالانکہ یہ امر فطرت انسانی کے خلاف ہے) کہ یہ بات آدمیوں کے لئے بہتر ہے۔ کہ وہ شہروں میں رہیں اور فیکٹریوں میں مشینوں پر کام کریں۔ بجائے اس کے کہ دیہات میں بودوباش رکھیں۔ اور آزادی کے ساتھ دستکاری میں مصروف

رہیں۔ کیونکہ اقتصادی ارتقار کا قدم اسی سمت میں ہے۔ اہل سائنس کا آدرش یہ ہے۔ کہ جب کاریگر لوگ جملہ وسائل پیداوار کے مالک بن جائینگے۔ تو تمام آسائشیں اور تفریحیں انہیں حاصل ہوں گی۔ جو اب محض خوشحال لوگوں کو میسر ہیں۔ اِن کے لباس اچھے ہوں گے۔ گھر آرام دہ ہونگے۔ خوراک اچھی ملے گی۔ اور بجلی کی روشنی سے منور بازاروں میں گشت کرینگے اور اکثر تھیئٹروں میں جایا کرینگے۔ اخبارات اور کتابیں پڑھینگے۔ لیکن ہر ایک شخص کو چند چیزیں چاہیں۔ اور اِن چیزوں کی پیداوار کا تناسب قائم ہونا چاہیئے۔ اور اِس بات کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہر ایک کاریگر کتنے عرصہ کام کرے۔ آخر اِس کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟

اعداد وکوائف سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سوسائٹی کے لوگوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ سرمایہ۔ مقابلہ اور ضرورت کی چیزوں سے بندھی ہوئی ہیں۔ لیکن کوئی شمار واعداد اِس بات کو ظاہر نہیں کرتے کہ جس سوسائٹی میں وسائل پیداوار خود سوسائٹی کی ملکیت ہوں گے۔

. . . .

. . . وہاں کن کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ جبکہ لوگ آزاد ہونگے۔ اِس قسم کی سوسائٹیوں میں ضروریات کی تشریح نہیں کی جا سکتی اور وہ ضروریات ہمیشہ بڑھتی رہیں گی۔ اور ہر شخص اُن تمام چیزوں کا خواہاں ہوگا۔ جو اب تک محض امراء کو حاصل ہیں۔ پس اس سامان کی تعداد کی حد مقرر کرنا محال ہے۔ جو اِس قسم کی سوسائٹی کو درکار ہیں۔ علاوہ ازیں اُن چیزوں کے بنانے کے لئے لوگوں کو کس طرح آمادہ کیا جائیگا بعض لوگ ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور بعض غیر ضروری بلکہ

نقصان دہ سمجھتے ہیں ؛
اگر ہر شخص کے لئے کام کرنا ضروری ہوا۔ فرض کرو ۴ گھنٹہ روزانہ تاکہ سوسائٹی کی ضروریات پوری ہوں۔ تو ایک آزاد سوسائٹی میں کسی شخص کو ۴ گھنٹہ کام کرنے پر مجبور کون کریگا؟ اُن چیزوں کے بنانے کے لئے جن کو وہ غیر ضروری بلکہ مضر خیال کرتا ہے ؛
اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بحالات موجودہ جو مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اور کلوں کے ذریعہ اور خاص کر محنت کی تقسیم کے ذریعہ سے اُن کے بنانے میں بہت کچھ کفایت رہتی ہے۔ اور یہ چیزیں مالکان کارخانہ کے لئے نفع بخش ہیں۔ اور ہم اُن کو آرام دہ اور خوش گوار پاتے ہیں۔ لیکن یہ امر کہ یہ چیزیں جو عمدگی سے بنائی جاتی ہیں۔ اور جن کے بنانے میں کم خرچ ہوتا ہے۔ اور جو اہل سرمایہ کے لئے نفع بخش اور ہمارے لئے آرام دہ ہیں۔ یہ ثابت نہیں کرتا۔ کہ آزاد انسان بغیر مجبور کئے جانے کے ان کو برابر بناتے رہیں گے ؛
اس میں شک نہیں۔ کہ کارخانہ کروپ تقسیم محنت کے موجودہ انتظام کی بدولت اعلےٰ توپیں بڑی ہنرمندی کے ساتھ بنا لیتا ہے۔ اور کارخانہ ایم۔ این ریشمی چیزیں بڑی صفائی سے اور بہت جلدی تیار کرتا ہے۔ اور دُوسرے کارخانے انواع و اقسام کے عطر اور خدوخال کو محفوظ رکھنے کے لئے کئی قسم کے پاؤڈر اور چمکدار کاغذ کے تاش تیار کرتے ہیں۔ اور کارخانہ زید نہایت عمدہ و سلکی کشید کرتا ہے۔ اور اس میں ذرا شک نہیں۔ کہ جن لوگوں کو ان اشیاء کی ضرورت ہے۔

اور ان کارخانوں کے مالکوں کو جہاں پڑتی ہیں۔ نہایت نفع بخش ہیں لیکن تو پیں اور خوشبوئیں اور وسکی کی ضرورت اُن لوگوں کو ہے جو چین کی منڈیوں پر قبضہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا جو نشہ کرنا چاہتے ہیں یا جن کو اپنے خط و خال کی صفائی کا خیال ہے۔ لیکن ایسے آدمی بھی موجود ہیں۔ جو چیزوں کی پیداوار کو نقصان دہ خیال کرتے ہیں۔ اور ایسے آدمی ہمیشہ رہیں گے۔ جو ان چیزوں کے علاوہ نمائشوں پیر۔ اور بیٹ کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ مضرت رساں۔ آخر اُن لوگوں کو ان چیزوں کے مہیا کرنے کے لئے کام کرنے پر کس طرح سے مجبور کیا جائیگا؟

بالفرض محال اگر کوئی ایسا طریقہ نکل بھی آئے۔ کہ جس سے سب لوگوں کو خاص خاص چیزیں بنانے پر رضا مند کیا جا سکے۔ اگرچہ کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ اور بجز جبر و تشدد کے اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا، تو ایک آزاد سوسائٹی کے اندر بجز سرمایہ داروں اور مقابلے اور مانگ اور سپلائی کے اصول کے اِس بات کا فیصلہ کون کرے گا۔ کہ فلاں چیزوں کو دوسری چیزوں پر ترجیح دیجائے اور کون سی چیزیں پہلے بنائی جائیں اور کونسی بعد میں ۔

آیا ہم پہلے سائبرین ریلوے تعمیر کرینگے۔ اور پورٹ آرتھر کی قلعہ بندی مستحکم کرینگے۔ اور پھر اپنے ملک کے اندر پختہ سڑکیں بنائینگے یا کہ اِس کے خلاف عمل کرینگے؟ پہلے کونسا کام ہوگا۔ بجلی کی روشنی مہیا کی جائیگی۔ یا کہ کھیتوں کے لیئے آبپاشی کا انتظام؟ اِس کے بعد پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ جن کا آزاد مردوں کے درمیان حل کرنا محال ہے

یعنی کون سے آدمی کونسا کام کریں گے۔ بظاہر سب آدمی گھاس خشک کرنے اور نقش کشی کے کام کو۔ موزے بُننے اور بیت الخلا صاف کرنے پر ترجیح دینگے۔ آخر کام کی تقسیم کرنے میں لوگوں کو کس طرح رضامند کیا جائے گا۔ اِن سوالات کا جواب کسی شمار و اعداد سے نہیں لیا جا سکتا۔ اِس کا حل محض قیاسی ہو سکتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ کچھ ایسے آدمی ہونگے۔ جن کو اِن تمام معاملات کے نظم و نسق کا اختیار دیا جائے گا۔ بعض لوگ اِس بات کا تصفیہ کریں گے۔ اور دوسرے لوگوں کو ان کا حکم ماننا پڑے گا۔

لیکن کام کی تقسیم اور کام کے منتخب کرنے کے علاوہ چند نہایت اہم سوالات اور بھی پیدا ہوں گے۔ کہ کام کی تقسیم کا معیار کس طرح قائم کیا جائے؟

موجودہ زمانے میں کام کی تقسیم کاریگروں کی ضروریات کے لحاظ سے مشروط ہے۔ ایک مزدور عمر بھر کانوں کے اندر کام کرنے پر رضامند ہوتا ہے۔ اور اپنی تمام عمر کسی کا ایک پرزہ بناتا رہتا ہے۔ یا تمام عمر کسی کارخانے کے اندر مشین کا پہیہ گھماتا رہتا ہے۔ کیونکہ بصورت دیگر اسے ضروریات زندگی میسر نہیں آسکتیں۔ لیکن یہ امر صرف جبر و تشدد سے ممکن ہوگا۔ کہ جس مزدور کو کوئی احتیاج نہ ہو۔ اس کو رضامند کیا جاسکے کہ وہ ایسی عقل مارنے والی اور روح کو تباہ کرنے والی محنت کو قبول کرے۔ جیسا کہ فی زمانہ بعض مزدوروں کو کرنا پڑتا ہے۔ کام کی تقسیم اشیا لوگوں کے لئے نہایت مفید اور نیچرل ہے۔ لیکن جب لوگ آزاد ہونگے۔ تو کام کی تقسیم ایک خاص حد تک محدود رہے گی۔

اگر ایک کسان بوٹ بناتا ہے۔ اور اس کی بیوی کپڑا بنتی ہے۔ اور دوسرا کسان ہل جوتتا ہے۔ اور تیسرا آہن گر ہے۔ اور ان کو اپنے اپنے کام میں خاص مہارت ہو گئی ہے۔ تو وہ ان کا باہم تبادلہ کرتے ہیں۔ تو محنت کی یہ تقسیم سب سے بہتر ہے۔ اور آزاد لوگ قدرتی طور اپنے کام کی اسی طرح تقسیم کرینگے۔ لیکن اس قسم کی تقسیم جس سے ایک شخص کسی چیز کا ایک پرزہ بناتا ہے۔ یا ایک مستری ۱۰۰ درجہ کی حرارت میں کام کرتا ہے اور مضر صحت گیس میں سانس لیتا ہے۔ تو اس قسم کی تقسیم ضرر رساں ہے۔ کیونکہ اگرچہ اس سے چیزوں کے مہیا ہونے میں مدد ملتی ہے مگر وہ چیز تباہ ہو جاتی ہے۔ جو زیادہ قیمتی ہے۔ یعنی انسان کی زندگی پس محنت کی یہ تقسیم جیسی کہ آج کل موجود ہے۔ صرف اس صورت میں قائم رہ سکے گی۔ کہ جہاں کہیں جبر اور تشدد ہوگا۔ پاؤ برٹس لکھتا ہے۔ کہ اصول اشتراکیت کے مطابق محنت کی تقسیم نوع انسان کو متحد کر دے گی۔ یہ درست ہے۔ لیکن جو تقسیم کہ لوگوں کو متحد کر سکتی ہے۔ وہ صرف آزادانہ تقسیم ہے۔ اگر لوگ ایک سڑک بنانے کا ارادہ کریں۔ ایک زمین کھودے۔ دوسرا پتھر لائے اور تیسرا پتھر کوٹے۔ تو اس قسم کے کام کے لوگوں کو متحد کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کام کرنے والوں کی مرضی کے بغیر بلکہ بعض دفعہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی ریلوے لائن بنائی جائے۔ یا ایفل ٹاور تعمیر کیا جائے یا وہ حماقت آمیز چیزیں بنائی جائیں۔ جو پیرس کی نمائش گاہ میں بھری ہوئی ہیں۔ اور ایک مزدور کو مجبور کیا جائے۔ کہ وہ لوہا لائے۔ اور دوسرے کو اس لئے کہ کانوں سے کوئلہ نکالے۔ اور

تیسرے کو لوہا کوٹنے پر لگا یا جائے۔ اور چوتھے کو درخت کاٹنے پر اور پانچویں کو درختوں کے تنوں کو آری سے کاٹنے پر لگایا جائے۔ بغیر یہ بتلانے کے کہ جو چیزیں وہ بنا رہے ہیں۔ اُن کی کس واسطے ضرورت ہے۔ تو کام کی یہ تقسیم آدمیوں کو متحد نہیں کر سکتی۔ بلکہ بخلاف اِس کے ان میں نفاق ڈالتی ہے۔ پس وسایل پیدا وار کے مشترک ملکیت میں لانے پر بشرطیکہ لوگ آزاد ہوں۔ وہ کام کی تقسیم اس حد تک قبول کریں گے۔ جس سے کہ کام کرنے والوں کو بجائے نقصان کے فائدہ زیادہ پہنچے۔ اور چونکہ ہر شخص اپنی سرگرمیوں کو وسعت دینے میں فائدہ خیال کرتا ہے۔ اس لئے آزاد سوسایٹی کے اندر کام کی اِس قسم کی تقسیم جیسا کہ اجکل ہے۔ محال ہوگی۔ پس یہ فرض کر لینا کہ جس وقت سوشلسٹوں کا آدرش پورا ہو گیا۔ تو ہر شخص آزاد ہو جائے گا۔ اور ساتھ ہی اِس کی تحویل میں ہر ایک وہ چیز ہوگی جن سے کہ آج کل محض خوشحال لوگ متمتع ہو سکتے ہیں۔ بالکل غلط خیال ہے۔

(۶)

تہذیب یا آزادی

موجودہ اقتصادی حالت کو اہل سائنس اور تمام خوشحال جماعتیں تہذیب کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ اور اِس تہذیب میں ریلوے تار۔ ٹیلیفون۔ فوٹوگراف روشن شعاعیں۔ اسپتال۔ نمائشیں اور آرام

آسائش کے تمام ساز و سامان شامل ہیں۔ یہ چیزیں اُن کو اِس قدر عزیز ہیں۔ کہ وہ اِس بات کا خیال بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ جس سے یہ سب چیزیں تلف ہو جائیں یا اُن میں سے کسی چیز کے چھوٹے سے چھوٹے حصّہ کو بھی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔

اِس سائنس کی تعلیم کی رو سے ہر ایک چیز بدل سکتی ہے۔ سوائے اِس تہذیب کے۔ لیکن یہ امر روز بروز عیاں ہوتا جاتا ہے۔ کہ یہ تہذیب اِسی صورت میں باقی رہ سکتی ہے۔ جبکہ کاریگروں کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے اور اہل سائنس کا وشواس ہے۔ کہ یہ تہذیب دنیا میں سب سے بڑی برکت ہے۔ مقنوں کا قول ہے۔ کہ انصاف مقدم ہے۔ اور مصلحت مؤخر۔ لیکن یہ اہل سائنس کہتے ہیں۔ کہ تہذیب مقدم ہے اور انصاف مؤخر۔ اور وہ نہ صرف ایسا کہتے ہیں۔ بلکہ عمل بھی کرتے ہیں۔ اِس تہذیب کے سوا ہر ایک شے عملاً اور خیالاً تبدیل ہو سکتی ہے۔ یعنی بجز اس کے کہ جو کچھ کارخانوں اور ورکشاپوں میں ہو رہا ہے۔ اور بجز ان چیزوں کے جو دوکانوں میں فروخت ہو رہی ہیں۔ اور ہر ایک شے بدل سکتی ہے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ بیدار مغز لوگ جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ اور جن کو تعلیم دی گئی ہے۔ کہ تمام انسانوں کو بھائی سمجھیں۔ اور اپنے ہمسایوں سے محبت کریں۔ وہ اس کے خلاف فتوٰے دینگے۔

بجلی کی روشنی اور ٹیلیفون اور نمائش یہ سب اچھی چیزیں ہیں۔ اور تمام پھولوں کے باغ معہ تھیٹروں اور تماشوں کے۔ تمام سگار اور دیا سلائیاں اور موٹر کاریں جہنم واصل ہو جانی چاہیئں۔ اور نہ صرف

یہ بلکہ تمام ریلیں بلکہ فیکٹریوں کی بنی ہوئی تمام چیزیں اور دنیا بھر کے کپڑے غارت ہو جائیں۔ تو بہتر ہے۔ جب ان چیزوں کے مہیا کرنے کے لئے یہ ضروری ہو۔ کہ دنیا کی ۹۰ فیصدی آبادی غلامی کی حالت میں رہے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں اُن کارخانوں کے اندر مرجائیں۔ جہاں یہ چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

اگر اس لئے کہ لنڈن اور پیٹرزبرگ میں بجلی کی روشنی ہو اور نمائش کی عمارتیں بنائی جائیں۔ اور اس لئے کہ خوبصورت روغن تیار رہیں اور خوبصورت کپڑے جلدی اور کثرت سے بنے جائیں۔ یہ ضروری ہو۔ کہ چند جانیں بھی تلف ہوں۔ یا برباد ہوں۔ یا کام کرنے والوں کی عمریں کم ہوں۔ بہتر ہے۔ کہ ان چیزوں کے بغیر گزارہ کر لیا جائے۔ شمار و کوائف سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کس قدر کثرت سے جانیں ان چیزوں کے مہیا کرنے میں تلف ہوتی ہے۔ لنڈن اور پیٹرس برگ میں گیس یا تیل کی روشنی ہونے دو۔ خواہ کوئی نمائش نہ ہو۔ کوئی رنگ و روغن اور سامان نہ ہو۔ مگر دنیا میں غلامی باقی نہ رہنی چاہیئے۔ اور اس کی وجہ سے جو انسانی جانیں تلف ہو رہی ہیں۔ نہ ہونی چاہئیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں الفت کی روشنی ہے وہ اس بات پر رضامند ہوں گے۔ کہ گھوڑوں پر چڑھ کر سفر کیا کریں۔ بلکہ لاٹھیوں اور اپنے ہاتھوں سے زمین میں ہل چلایا کریں۔ بجائے اس کے کہ ریل میں سفر کریں۔ جہاں ہر سال بہت سے آدمیوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ تھوڑے دن ہوئے۔ شکاگو میں واقعہ گذرا محض اس وجہ سے کہ مالکان ریلوے نے اس امر کو زیادہ منفعت بخش خیال کیا۔ کہ جو لوگ ہلاک ہوتے ہیں

اُنکے پسماندگان کو معاوضہ دے دیا جائے بجائے اس کے کہ وہ لائین کو اس طور پر بناتے۔ کہ مسافر ہلاک نہ ہوتے۔

لیکن تہذیب۔ کار آمد تہذیب مٹ نہیں جائیگی۔ لوگوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا۔ کہ زمین میں چھپڑیوں سے ہل چلائیں۔ یا مشعلوں کے ذریعہ روشنی کریں۔ کیونکہ نوع انسان نے اپنی حالت غلامی میں صنعتی معاملات میں بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔

اگر صرف یہ بات سمجھ میں آجائے۔ کہ ہم اپنی تفریح کے لئے دوسرے انسان بھائیوں کی جانیں قربان نہ کریں۔ تو یہ ممکن ہوگا۔ کہ انسانوں کی جانیں ضائع کئے بغیر صنعتی ترقی ہو سکے۔ اور ایسا انتظام کیا جائے۔ کہ اُن تمام طریقوں سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ جن سے ہم کو قدرت کی طاقتوں پر قابو حاصل ہوا ہے۔ اور یہ انتظام اس طرح کیا جائے کہ دوسرے بھائیوں کو غلامی میں نہ رکھا جائے۔

(۷)

غلامی موجود ہے

فرض کرو کہ ایک آدمی کسی غیر ملک سے ہمارے ملک میں آئے جو ہماری تاریخ اور ہمارے قوانین سے ناواقف ہو۔ اور فرض کرو کہ ہم اپنی زندگی کے مختلف پہلو دکھا کر اُس سے یہ سوال کریں کہ ہمارے ملک کے باشندوں کی زندگیوں میں کیا تفاوت دیکھی ہے۔ تو وہ کیا جواب دے گا؟ وہ کہے گا کہ یہاں بعض لوگ جن کی تعداد نہایت قلیل ہے! اُن

کے ہاتھ نہایت سفید اور صاف ہیں۔ اُن کو خوراک کافی ملتی ہے۔ لباس اُن کے پاس کافی ہے۔ اور مکانات وسیع ہیں۔ وہ بہت ہلکا کام کرتے ہیں۔ بلکہ عموماً کوئی کام نہیں کرتے۔ بلکہ اپنا دل بہلانے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اپنی تفریحات پر دوسرے لاکھوں لوگوں کی سخت محنت کی کمائی کو خرچ کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ۔ جو ہمیشہ گندے رہتے ہیں۔ چیتھڑے پہنتے ہیں۔ تنگ و تاریک مکانوں میں رہتے ہیں۔ معمولی اور غیر مکتفی خوراک کھاتے ہیں۔ صبح سے شام تک مسلسل کام کرتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ساری ساری رات ان لوگوں کے لئے محنت کرتے ہیں۔ جو کچھ کام نہیں کرتے بلکہ مسلسل طور پر اپنا دل بہلانے میں مصروف رہتے ہیں؛

اگر غلاموں اور آقاؤں کے درمیان آج کل کے زمانہ میں کوئی حد بندی کرنا مشکل ہے۔ جیسی حد بندی کہ زمانہ گذشتہ کے آقاؤں اور غلاموں کے مابین تھی۔ اگر آج کل غلاموں میں بعض ایسے آدمی ہیں۔ جو عارضی عرصہ کے لئے غلام ہیں۔ اور پھر غلاموں کے مالک بن جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جو ایک ہی وقت میں غلام بھی ہیں اور آقا بھی؛

یہ دو جماعتوں کا سمویا جانا اِس واقعہ کو غلط نہیں ٹھیراتا۔ کہ ہمارے زمانے کے آدمی آقاؤں اور غلاموں میں اسی طرح پر منقسم ہیں۔ جس طرح کہ چوبیس گھنٹے رات اور دن میں منقسم ہیں؛

اگر ہمارے زمانے کے آقا کوئی حبشی غلام نہیں رکھتے۔ تاکہ وہ

اُس سے اپنا چھ بچہ صاف کرا سکیں۔ تاہم اُس کے پاس پانچ شلنگ ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے صدہا غلام ایسے حاجتمند ہیں۔ کہ زمانہ حال کا آقا اُن میں سے ایک کو منتخب کر سکتا ہے۔ اور اس کا انتخاب بمنزلہ مہربانی کے سمجھا جائیگا۔ کہ اُس نے بمقابلہ دوسرے کے اس کو چھ بچہ میں کودنے کی اجازت دی +

ہمارے زمانہ کے غلام صرف ورکشاپ یا فیکٹریوں میں کام کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ جن کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اپنے تئیں کارخانوں کے مالکوں کے ہاتھ بیچ دینا پڑتا ہے۔ بلکہ تمام زراعتی مزدور بھی غلام ہیں۔ جو دوسروں کے لئے غلہ پیدا کرنے کیلئے دوسروں کے کھیت میں کام کرتے رہتے ہیں۔ اور دوسروں کے کھتے بھرنے کے لئے اُن کی فصلیں کاٹتے ہیں۔ اور اپنے کھیت صرف اِس لئے جوتتے ہیں۔ کہ اُن قرضوں کا سود مہاجن کو ادا کریں۔ جن سے اُن کو بھی چھٹکارا حاصل نہ ہو سکے گا۔ غلام وہ لوگ بھی ہیں۔ جو ہرکارے یا خانساماں یا خدمتگاری کا کام کرتے ہیں۔ اور تمام پورٹر اور کوچمین اور حمامی اور ویٹر وغیرہ۔ جو عمر بھر اسی قسم کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ جو ایک انسان کے لئے غیر طبعی ہیں۔ اور جن کو وہ خود پسند نہیں کرتے۔ غلامی زور شور کے ساتھ موجود ہے لیکن ہم اُسے محسوس نہیں کرتے جیسا کہ اٹھارہویں صدی میں یورپ کے اندر مزارعاں کی غلامی کا رواج تھا۔ اور اس کو محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ اِس زمانے کے لوگ خیال کرتے تھے۔ کہ جو لوگ اپنے زمینداروں کے لئے زمین کاشت کرتے ہیں۔ اور اُن کے حکم مانتے ہیں۔ یہ زندگی

کی ایک لازمی اقتصادی حالت ہے۔ اور طبعی حالت ہے۔ اور وہ اُس کو غلامی نہیں کہتے تھے۔ یہی حالت آج کل ہے۔ ہمارے زمانے کے مزدوروں کی حالت کو طبعی اور لازمی اقتصادی حالت خیال کرتے ہیں اور اٹھارھویں صدی کے آخر میں یورپ کے لوگوں نے رفتہ رفتہ سمجھنا شروع کیا۔ کہ جو بات لازمی اقتصادی حالت خیال کی جاتی تھی۔ یعنی کہ مزارعان زمینداروں کے غلام بنے ہوئے تھے۔ یہ بیجا اور غیر منصفانہ اور خلاف اخلاق بات ہے۔ اور انہوں نے اِس حالت کے تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اِسی طور پر زمانہ حال کے لوگوں نے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ کہ اُجرتی مزدوروں اور کام کرنے والی جماعتوں کی حالت جو سابق میں درست اور معمولی حالت سمجھی جاتی تھی۔ درست نہیں ہے۔ اِس لئے وہ اِس میں تبدیلی چاہتے ہیں ؂

ہمارے زمانہ کے مزدوروں کی غلامی کی حالت کو سوسایٹی کے آزاد خیال لوگوں نے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ تاہم ابھی تک کثرت اُن لوگوں کی ہے۔ کہ جن کو یقین یہ ہے۔ کہ ہمارے درمیان کسی قسم کی غلامی نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ روس اور امریکہ میں طریق غلامی کو موقوف ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ لیکن فی الحقیقت مزارعان کی غلامی اور عام غلامی کی موقوفی سے غلامی کا وہ طریق موقوف ہوا ہے۔ جو غیر ضروری ہو گیا ہے۔ اور اِس کی جگہ ایک مضبوط تر قسم کی غلامی قائم ہو گئی ہے۔ اور انسانوں کی ایک بڑی تعداد اِس کے اندر جکڑی گئی ہے۔ روس میں مزارعوں کی غلامی اور امریکہ میں حبشیوں کی غلامی اگرچہ موقوف ہو گئی۔ لیکن دراصل وہ دوسری شکل میں نمودار ہو گئی ؂

روس میں مزارعوں کی غلامی [illegible] ختم ہوئی جبکہ زمین کی مناسب تقسیم [illegible] دہقان کو دی گئی۔ تو اُن سے اُس کی قیمت کی گئی۔ اور غلامی کی جگہ قرضوں نے لے لی۔ یورپ میں ٹیکس اس وقت موقوف ہونے شروع ہوئے۔ جبکہ لوگوں کے ہاتھ سے اراضی نکل چکی تھی۔ اور وہ زراعتی کاموں کے عادی نہ رہے تھے اور شہری زندگی کا مذاق اُن میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ سرمایہ دار لوگوں کے بالکل دست نگر بن گئے تھے۔ اُس کے بعد انگلینڈ میں غلہ کا ٹیکس موقوف ہوا۔ اور اب جرمنی اور دوسرے ممالک میں غربا کے ٹیکس موقوف ہونے شروع ہوئے ہیں۔ اور امیروں پر لگائے جا رہے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی بڑی تعداد سرمایہ داروں کی غلام ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک قسم کی غلامی اس وقت تک ختم نہیں ہوتی۔ جبکہ دوسری غلامی نے اس کی جگہ نہیں لے لی ؎

غلامیاں کئی قسم کی ہیں۔ جہاں ایک قسم کی نہ ہو۔ وہاں دوسری قسم کی ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ متعدد قسم کی غلامیاں ایک ساتھ ہی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے باشندگان ملک کا حصہ مزدوروں کی آبادی کی تعداد کثیر کی زندگی اور محنت پر پورا پورا اقتدار رکھتا ہے۔ اور لوگوں کی مصیبت ناک حالت کا بڑا کارن یہی ہے۔ کہ بہت سے آدمی تھوڑے سے آدمیوں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ پس مزدوروں کی اصلاح محض اس طرح سے ممکن ہے۔ اول یہ کہ اس امر کو تسلیم کیا جائے کہ غلامی موجود ہے۔ جو لوگوں کی کثرت تعداد کو قلیل التعداد لوگوں کو غلام بنائے ہوئے ہے۔ دوسرے یہ کہ اُن اسباب کو تلاش کیا جائے۔

جن سے بعض لوگوں نے بہت سے آدمیوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے
تیسرے یہ کہ اسباب معلوم ہونے کے بعد اُن کے دُور کرنے
کی تدبیر نکالی جائے ۔

(۴)

غلامی کیا ہے؟

زمانہ حال کی غلامی کا راز کیا ہے؟ وہ طاقتیں کونسی ہیں۔ جن سے بعض آدمی دوسرے آدمیوں کے غلام بن جاتے ہیں۔ اگر ہم یورپ میں روس کے اور امریکہ کے مزدوروں سے سوال کریں جو فیکٹریوں اور کارخانوں میں یا شہروں اور دیہات میں اُجرت پہ کام کرتے ہیں۔ کہ تم نے یہ حالت کس وجہ سے قبول کی۔ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم اس لئے یہ مزدوری کرنے پر مجبور ہوئے۔ کہ ہمارے پاس زمین نہیں ہے۔ تمام روسی مزدوروں اور یورپ کے اچھے ممالک کے مزدوروں کا جواب یہی ہوگا۔ یا وہ یہ کہیں گے۔ کہ اُن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ٹیکسوں کا مطالبہ کیا گیا۔ جو وہ بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ کہ کارخانوں میں مزدوری کریں۔ جہاں اُن کی عادتیں خراب ہوگئی ہیں۔ اور وہ اپنی ضروریات کو اپنی محنت اور آزادی فروخت کئے بغیر پورا نہیں کر سکتے ۔

اول الذکر دو حالتیں یعنی زمین کا نہ ہونا اور ٹیکسوں کی زیادتی اُن کو لازمی طور پر مزدوری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور تیسری حالت

اُن کی ضرورتوں کو بڑھاتی ہے۔ اور اسی حالت میں رہنے میں وہ مجبور ہو جاتے ہیں ؛

ہنری جارج نے جو تجویز پیش کی ہے۔ اُس کی رو سے اراضی زمینداروں کی پرائیویٹ ملکیت سے نکل سکتی ہے۔ اور اِس طور سے کاشتکاروں کے غلام بنائے جانے کا اول سبب دُور ہو جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ ٹیکس غریب آدمیوں پر موقوف کر کے امرا پر لگائے جائیں۔ جیسا کہ بعض ملکوں میں ہو رہا ہے۔ لیکن بحالات موجودہ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی۔ کہ امرا عیش پسندی کی عادتیں روز بروز زیادہ اختیار نہ کریں گے۔ اور رفتہ رفتہ اُن غریبوں کی بھی یہی عادتیں نہیں ہو جائیں گی۔ جن کو روز امیروں سے واسطہ پڑتا ہے ؛

یہ عادتیں مزدوروں کے لئے اس لئے وبال جان ہو جاتی ہیں اور اُن کے پورا کرنے کے لئے وہ اپنی آزادی بیچنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور یہی سب سے زبردست سبب غلامی کا ہے۔ جو کاریگر امیر آدمیوں کے قریب رہتے ہیں۔ اُن کی نئی ضروریات بڑھ جاتی ہیں۔ اور ان ہی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے وہ اپنی محنت کا بڑا حصہ وقف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انگلینڈ اور امریکہ کے مزدور بعض دفعہ اُس سے دس گنی اُجرت پاتے ہیں۔ جو زندگی قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ تاہم وہ ایسے ہی تنگدست رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے تھے ؛

(۹)

اراضی - جائیداد اور ٹیکس کے قوانین

جن حالتوں کی وجہ سے کاریگر لوگ اہلِ سرمایہ کے غلام بنے ہیں۔ اُن کو جرمن سوشلسٹ آہنی قوانین کہتے ہیں۔ اُن کے خیال میں یہ قوانین بدل نہیں سکتے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ یہ حالتیں محض اُن قوانین سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو ٹیکس اُن چیزوں کے متعلق ہیں۔ جن سے ہماری ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہ مختلف انسانوں کے بنائے ہوئے قانون ہیں۔ جن سے غلامی پیدا ہوتی ہے۔ ایک قانون یہ ہے۔ جس کی رو سے زمین کی کوئی مقدار ایک شخص کی پرائیویٹ ملکیت ہو سکتی ہے۔ اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو بذریعہ وراثت یا بذریعہ وصیت یا بذریعہ خرید وفروخت منتقل ہوتا ہے۔ اور دوسرے قوانین یہ ہیں جن کی رو سے ہر شخص سے جو ٹیکس طلب کئے جائیں۔ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ تیسرے قوانین وہ ہیں۔ کہ جو چیزیں خواہ کسی طرح حاصل کی جائیں۔ اُن لوگوں کی ملکیت بن جاتی ہیں۔ جن کے وہ قبضہ میں ہیں۔ اور یہی قوانین غلامی کا کارن ہیں ؎

ہم ان قوانین کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں۔ کہ گویا وہ قدرتی ہیں ؎

جیسا کہ زمانہ قدیم میں غلامی کا رواج قدرتی معلوم ہوتا تھا۔ اور

اُن میں کوئی ناانصافی یا غلطی نظر نہ آتی تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا۔ کہ لوگوں نے مزارعاں کی غلامی کو محسوس کیا۔ اور اُن قوانین کے درست ہونے میں کلام کیا۔ جن کی وجہ سے وہ غلامی قائم تھی۔

پس اب جبکہ موجودہ اقتصادی حالات سے تباہ کن نتائج ظاہر ہو گئے ہیں۔ تو اراضی اور ٹیکسوں اور جائداد کے متعلق جو قوانین ہیں۔ ان کی درستی پر شک ہونے لگا ہے۔

جس طرح کہ زمانہ سابق میں لوگ سوال کرتے تھے کہ کیا یہ مناسب ہے۔ کہ بعض لوگ دوسرے لوگوں کی ملکیت ہوں۔ اور ان غلاموں کی کوئی جائداد نہ ہو۔ اور وہ اپنی محنت کے تمام ثمرات اپنے مالکوں کے حوالے کر دیا کریں۔ اسی طرح آج کل ہم لوگ یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا یہ انصاف کی بات ہے۔ کہ لوگ اپنی محنتوں کا ایک حصہ ٹیکسوں کی شکل میں دوسرے لوگوں کے حوالہ کر دیا کریں۔ اور کیا یہ مناسب ہے۔ کہ لوگ اُن چیزوں کا استعمال نہ کریں۔ جو دوسرے لوگوں کی ملکیت سمجھی گئی ہیں۔ کہ یہ انصاف ہے۔ کہ لوگ اُس اراضی کو کام میں نہ لا سکیں۔ جبکہ یہ خیال کیا جائے۔ کہ وہ ان لوگوں کی ملکیت ہے۔ جو خود کاشت نہیں کرتے ہیں؟

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ قانون اس لئے بنایا گیا۔ کہ کاشتکاروں کی بہبودی کے لئے زمین کی ملکیت کا ہونا لازمی ہے۔ اور اگر زمین کی پرائیویٹ ملکیت ورثہ کے طور پر ایک سے دوسرے کو نہ ملے۔ تو دوسرے لوگ اراضی سے اُن کو بیدخل کر دیں گے۔ اور کوئی شخص اُس اراضی کو ترقی نہ دے گا۔ اور نہ اُس پر دل سے کام کرے گا۔ کیا یہ سچ

ہے ؟ اِس کا جواب تاریخ میں تلاش کرنا چاہیئے ۔

تاریخ ظاہر کرتی ہے ۔ کہ اراضی پر قبضہ اِس خیال سے نہیں کیا گیا ۔ کہ کاشتکاروں کی حالت کو بہتر بنایا جاوے ۔ بلکہ اراضی پر قبضہ اِس وجہ سے ہُوا ۔ کہ فاتح لوگ اُس پر قابض ہو گئے ۔ اور اُسے اُن لوگوں کو تقسیم کر دیا جنہوں نے فاتحان کی خدمت کی تھی ۔ پس زمین کی ملکیت اِس نیت سے قائم نہیں ہوئی ۔ کہ کاشتکاروں کو فائدہ پہنچایا جائے ۔

زمانہ حال کے واقعات اِس دعوٰے کے مغالطہ کو ثابت کرتے ہیں ۔ کہ زمین کی ملکیت اُن لوگوں کو یقین دلاتی ہے ۔ جو اس کو کاشت کرتے ہیں ۔ کہ وہ اِس سے بیدخل نہیں کیئے جائیں گے ۔ لیکن فی الحقیقت ہر جگہ اس کے خلاف عمل ہُوا ہے ۔ اور ہو رہا ہے ۔

جائداد ارضی کی ملکیت کے حق کا یہ نتیجہ ہُوا ہے ۔ کہ بڑے بڑے زمینداروں کو زیادہ فائدہ پہنچا ۔ اور مزارعان کی تعداد کثیر اس حالت میں منتقل ہو گئی ۔ کہ وہ دوسرے لوگوں کی زمین کاشت کرتے ہیں ۔ جن کو وہ لوگ جو خود کاشت کا کام نہیں کرتے ۔ جب اُن کی مرضی ہو ۔ بیدخل کر سکتے ہیں ۔ پس جائداد ارضی کے متعلق کاشتکاروں کی اس معاملہ میں قانون کچھ مدد نہیں کرتا ۔ بلکہ بخلاف اِس کے کاشتکاروں کو زمین سے بے دخل کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے ۔ اور زمین اُن کے قبضہ میں سے نکل کر اُن لوگوں کے قبضہ میں جا رہی ہے ۔ جو خود کچھ کام نہیں کرتے ۔ پس یہ زراعت کو ترقی دینے کا ذریعہ نہیں ہے ۔ بلکہ تنزل کا ذریعہ ہے ۔

ٹیکسوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس لئے ادا کرنے چاہئیں کہ (اگرچہ اُن میں سے بہت سے لوگ خاموش بھتے) قائم کئے گئے ہیں۔ اور وہ فوائد عامہ کے لئے سب کے فائدے کی خاطر خرچ کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟

اِس سوال کا جواب تاریخ اور زمانہ حال کے واقعات بخوبی دیتے ہیں۔ تاریخ ظاہر کرتی ہے۔ کہ ٹیکس عام رضامندی سے کبھی نہیں لگائے جاتے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ بعض لوگ دوسرے لوگوں پر فتحمندی سے یا دیگر ذرائع سے غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اُن سے خراج وصول کرتے ہیں۔ پبلک ضروریات کی نیت سے نہیں۔ بلکہ اپنے واسطے اور یہی طریقہ اب تک جاری ہے۔ ٹیکس وہ لوگ وصول کرتے ہیں۔ جن کو وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اگرچہ آج کل کے زمانہ میں ان خراجوں کا کوئی جزو جن کو ٹیکسوں اور محاصل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فوائد عامہ کے لئے صرف ہوتا ہے۔ تو وہ اکثر ایسے کاموں میں ہوتا ہے۔ جو اکثر ایسے آدمیوں کے لئے بجائے مفید ہونے کے نقصان دہ ہیں۔

مثلاً روس میں کاشتکاروں کی ایک تہائی آمدنی ٹیکسوں میں وصول کی جاتی ہے۔ لیکن اُن کی سب سے بڑی ضرورت یعنی اشاعت تعلیم میں سلطنت کی آمدنی کا صرف پچاسواں حصّہ صرف ہوتا ہے اور یہ رقم بھی اِس قسم کی تعلیم پر خرچ کی جاتی ہے۔ جس سے لوگوں کے دماغ خراب ہوتے ہیں اور بجائے فائدے کے نقصان زیادہ پہنچتا ہے۔ اور ٹیکسوں کا باقی ۴۹/۵۰ حصّہ غیر ضروری باتوں پر خرچ ہوتا ہے

جو لوگوں کے لیئے نقصان دہ ہیں۔ یعنی فوج بھرتی کرنے۔ فوجی ریلوے لائن بنانے۔ قلعے تعمیر کرنے۔ جیلخانے بنانے۔ اور پادریوں کو تنخواہیں دینے اور دربار شاہی کے اخراجات۔ اور فوجی وصول افسروں کی تنخواہوں میں۔ یعنی اُن لوگوں کی تنخواہوں میں جن کے ذریعہ یہ روپیہ لوگوں سے وصول کیا جاسکتا ہے۔

اور یہی عمل نہ صرف ایران اور ٹرکی اور ہندوستان میں بلکہ تمام عیسائی اور آئینی حکومتوں اور جمہوری سلطنتوں میں جاری ہے۔ کہ روپیہ اکثر لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ دینے والے رضامندی سے دیتے ہیں یا نہیں۔ اور جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ اس نسبت سے نہیں کہ اس کی ضرورت ہے۔ بلکہ جس قدر فراہم ہو سکے لیا جاتا ہے۔

(ہم جانتے ہیں کہ پارلیمنٹیں کس طرح بنائی جاتی ہیں۔ اور وہ عوام الناس کی مرضی کی کس قدر مظہر ہیں)۔

اور یہ روپیہ فوائد عامہ کے لیئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اُن چیزوں پر صرف ہوتا ہے۔ جن کو حکمران جماعتیں اپنے لیئے ضروری خیال کرتی ہیں۔ یعنی کیوبا اور فلیپائن کی لڑائیوں پر۔ یا ٹرانسوال کی قیمتی کانوں پر قبضہ کرنے اور اُن کو قبضہ میں رکھنے کے لیئے۔ بس یہ عذر کہ لوگوں کو ٹیکس ادا کرنے چاہئیں۔ کیونکہ وہ عام رضامندی سے قائم کیئے گئے ہیں۔ اور وہ مشترک فائدے کے لیئے خرچ کیئے جاتے ہیں ایسا ہی غلط ہے۔ جیسا کہ یہ عذر غلط ہے۔ کہ زمین کی پرائیویٹ ملکیت زراعت کو ترقی دینے کی غرض سے قائم کی گئی ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ لوگوں کو اُن چیزوں کو استعمال میں نہیں لانا چاہیئے۔ جن کی اُنہیں ضرورت ہو۔ بشرطیکہ وہ چیزیں دوسرے لوگوں کی ملکیت ہوں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ چیزوں کے متعلق حق ملکیت اِس وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔ کہ کاریگر کو یہ یقین ہو جائے۔ کہ جو چیز اس نے اپنی محنت سے بنائی ہے۔ اُسکو کوئی دوسرا چھین نہ لے جائیگا۔ کیا یہ سچ ہے؟

اس کے لئے صرف سرسری نظر سے یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے۔

ہماری سوسائٹی میں چیزوں کے متعلق حق ملکیت کے اصول کی وجہ سے یہ بات ہو رہی ہے۔ جس کے انسداد کے لئے حق قائم کیا گیا ہے۔ یعنی تمام چیزیں جو تیار کی گئی ہیں۔ یا کی جا رہی ہیں۔ اُن سب کو کاریگر بناتے ہیں۔ لیکن اِن پر قبضہ وہ لوگ کر لیتے ہیں۔ جنہوں نے اس کے بنانے میں کوئی محنت نہیں کی۔ اوّل تو اُن کی محنت کا پھل ناجائز طور پر اور زبردستی کاریگروں سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور پھر قانون آگے آتا ہے۔ اور اِن ہی چیزوں کو جو کاریگروں سے ناجائز طور پر اور زبردستی چھینی گئی ہیں۔ مکمل طور پر اُن لوگوں کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ جنہوں نے اس کو چھینا ہے۔

مثلاً کسی کارخانہ کی ملکیت جو بہت سی دھوکہ بازیوں اور کاریگروں کی محنت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر حاصل کی گئی ہے۔ محنت کا ثمرہ خیال کیا

جاتا ہے۔ اور اس حق ملکیت کو متبرک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اُن کاریگروں کی زندگی جو اس کار۔خانے میں کام کرتے ہوئے ہلاک ہو جائیں۔ اور اُن کی محنت اُن کاریگروں کی جائداد نہیں سمجھی جاتی ہے۔ بشرطیکہ اُس نے کاریگروں کی ضروریات کا فائدہ اُٹھا کر اُن سے اقرار نامہ لکھوا کر انہیں پابند بنا لیا ہو۔ جو قانون کی نظر میں جائز سمجھا گیا ہو۔ لاکھوں من غلہ جو کاشتکاروں سے سود خواری کے ذریعہ یا استحصال بالجبر سے جمع کیا جاتا ہے۔ اُس کو تاجروں کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ اور کسانوں نے جو غلہ پیدا کیا۔ وہ کسی دوسرے شخص کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

جس کو کہ اراضی اپنے دادا یا پردادا سے ورثہ میں ملی ہے۔ جس نے کہ اس کو دوسرے لوگوں سے چھینا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ملک کارخانہ۔ سرمایہ دار اور زمیندار کی جائدادوں کی قانون جس طور پر حفاظت کرتا ہے۔ اسی طور پر کارخانے یا کھیت میں کام کرنے والوں مزدوروں کی جائداد کا محافظ ہے۔ لیکن سرمایہ دار اور مزدور کی مساوات ایسے دو شخصوں کی جنگ کرنے کی مساوات کے مانند ہے۔ جن میں سے ایک کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں اور دوسرے کے ہاتھ میں ہتھیار ہوں۔ اور جب وہ لڑتے ہوں۔ تو دونوں کے ساتھ ایک ہی قسم کے اصول غیر جانبداری کے ساتھ برتے جائیں۔ پس تینوں قسم کے قوانین کے متعلق جن سے غلامی پیدا ہوتی ہے۔ جو عذرات پیش کئے گئے ہیں۔ وہ ایسے ہی لغو اور فضول ہیں۔ جو ایسے ہی عذرات تھے۔ جو زمانہ سابق میں غلامی کو حق بجانب ٹھیرانے کے لئے پیش کئے

جاتے تھے۔ یہ تینوں قسم کے قوانین اس کے سوا کچھ نہیں ہیں جنہوں نے زمانہ قدیم کے اصولوں کی جگہ لے لی ہے۔ زمانہ سابق میں لوگوں نے قانون بنائے تھے۔ کہ بعض لوگ آدمیوں کو فروخت کرتے تھے۔ اور دوسرے ان کو خریدتے اور اُن پر قابض رہتے تھے۔ اور اُن سے سخت سے سخت کام کراتے تھے۔ اس طور پر غلامی کا طریق جاری تھا۔ اِسی طرح اب لوگوں نے قانون بنالئے ہیں۔ کہ لوگ اُس اراضی کو اِستعمال نہ کریں۔ جو کسی دوسرے کی ملکیت خیال کی گئی ہے۔ اور جو ٹیکس ان سے مانگے جائیں۔ وہ ضرور ادا کریں۔ اور اُن چیزوں کو کام میں نہ لائیں۔ جو دوسروں کی ملکیت خیال کی گئی ہیں۔ اور ان ہی قوانین کی وجہ سے زمانہ حال کی غلامی قائم ہے۔

(۱۰)

یہ قوانین ہی غلامی کا سبب ہیں

ہمارے زمانہ کی غلامی کا کارن تین قسم کے قوانین ہیں۔ یعنی جو اراضی کے متعلق ہیں اور جو ٹیکسوں اور جائداد کے متعلق ہیں۔ اس لئے ان تمام لوگوں کی کوششیں جو مزدوروں کی حالت کو ترقی دینے کے خواہشمند ہیں۔ وہ خواہ نادانستہ طور پر ہی سہی۔ مگر ان کی تمام تر کوششیں ان قوانین کی جانب مائل ہیں۔

بعض لوگ ان ٹیکسوں کو جو مزدوری پیشہ جماعتوں کے لئے

ناقابل برداشت ہیں۔ موقوف کر کے امراء پر عائد کرتے ہیں۔ اور بعض اراضی کی پرائیویٹ ملکیت کو موقوف کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کو عمل میں لانے کی تیوزیلنڈ اور امریکہ کی ایک ریاست میں کوشش ہو رہی ہے آئرلینڈ میں زمینداروں کے حقوق کو محدود کرنے کی کوشش بھی اسی سمت میں ایک حرکت ہے۔ +

تیسری تحریک سوشلسٹوں کی ہے۔ جو وسائل پیداوار کو مشترک ملکیت میں لانا چاہتے ہیں اور آمدنیوں اور ورثہ پر ٹیکس لگانا اور سرمایہ دار مالکان کارخانجات کے حقوق کو محدود کرنا چاہتے ہیں۔ پس معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن قوانین کی وجہ سے غلامی قائم ہے۔ اُن کی تنسیخ کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس طور سے غلامی کا سدّباب ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے لیکن ہم کو ان حالتوں کو بھی بغور دیکھنا چاہئیے۔ جن کے اندر یہ قوانین منسوخ کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک قانون کو دور کر کے دوسرا قانون بھی دوسری صورت میں وہی نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ مثلاً جو لوگ غریب آدمیوں کے ٹیکس معاف کر کے امراء پر ٹیکس عائد کرتے ہیں۔ وہ لازمی طور پر ان قوانین کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور انہیں رکھنے پڑتے ہیں۔ جن کی رو سے اراضی اور وسائل پیداوار اور دیگر اشیاء کی بابت پرائیویٹ ملکیت قائم ہے۔ اور ٹیکسوں کا سارا بوجھ ان پر جا پڑتا ہے۔ پس اراضی اور جائداد ملکے متعلق موجودہ قوانین کے جاری رہنے سے مزارعان اور مزدور زمینداروں اور سرمایہ داروں کے بدستور غلام بنے رہتے ہیں۔ اگرچہ مزدور ٹیکسوں سے بری ہو گئے ہیں۔ جو لوگ ہنری جارج اور اُس کے ہم خیال لوگوں کی مانند اراضی کی پرائیویٹ ملکیت کے

قانون کو منسوخ کرنا چاہتے۔ وہ اراضی پر جدید ٹیکس لگانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ اور ان ٹیکسوں سے نئی قسم کی غلامی پیدا ہوگی۔ کیونکہ جو شخص لگان یا مالیہ ادا کرنے کے لیئے مجبور ہے۔ ممکن ہے۔ کہ کسی وقت فصل نہ پیدا ہونے یا اور کسی آفت کی وجہ سے اس کو اس شخص سے روپیہ قرض لینا پڑے۔ جس کے پاس روپیہ موجود ہے۔ اور اس طور سے وہ پھر غلام بن جائے گا۔ کیونکہ مقروض سے بڑھکر غلام کون ہوسکتا ہے؛ جو لوگ سوشلسٹوں کے اصولوں کے موافق زمین اور دیگر پیداوار کی ملکیت کے قوانین منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ صرف ٹیکسوں کے قانون کو بحال رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ لوگوں سے جبریہ مزدوری لینے کے قوانین بھی انہیں جاری کرنے پڑیں گے۔ اور اس طور سے غلامی اپنی ابتدائی حالت میں پھر جاری ہوجائے گی؛

اس کی بعینہ مثال یہ ہے۔ کہ ایک داروغہ جیل کسی قیدی کا طوق گلے سے نکال لے۔ اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے اور ہتھکڑیاں اُتار لے اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالدے۔ یا ڈنڈا بیڑی پہنا دے۔ پس مزدوروں کی حالت میں جو کچھ اصلاحیں آجتک ہوئی ہیں۔ وہ اسی قسم کی ہیں؛

یہ قانون جو کسی زمانہ میں رائج تھا۔ کہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنے غلام سے چاہے جس قسم کی مشقت کا کام لے موقوف ہوکر یہ قانون بن گیا۔ کہ مالک تمام اراضی پر قابض ہوجائیں۔ اور اگر یہ قانون منسوخ ہوگیا۔ کہ تمام اراضی زمینداروں کی ملکیت نہ رہے تو اس کی جگہ کاشتکاروں پر ٹیکس لگانے کا قانون بن جائے گا۔ اور ٹیکسوں کی وصولی

مالکوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور یہ قانون بھی نہ رہا۔ تو دیگر اشیاء اور اُن کے وسائل پیداوار میں پرائیویٹ ملکیت کا حق قائم رہے گا۔ اور یہ قوانین بھی اگر منسوخ ہوئے۔ تو پھر بیگار کا قانون جاری ہو جائے گا۔ یعنی لوگوں کو کام کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔

پس غلامی کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہے گی۔ بلکہ ہر قسم کے قوانین منسوخ ہو جائیں۔ غلامی تب بھی دُور نہ ہوگی۔ چنانچہ مزدوروں کے لئے کام کے گھنٹے مقرر کرنے۔ عمر کی شرط۔ تندرستی کی شرط قائم کرنے اور مدرسوں میں لازمی حاضری اور بڑھاپے کی پنشن اور حادثات کے لئے اُن کی اُجرتوں کا ایک جزو کاٹ لینے کی تجاویز درپیش ہیں۔ نیز کارخانوں کے معائنے کے قوانین۔ یہ سب باتیں اِس کے سوا کیا ہیں۔ کہ نئی قسم کی غلامی کی بنیاد ڈالی جائے۔

پس ظاہر ہے کہ غلامی کی جڑ ان سہ گانہ قوانین کے اندر مضمر نہیں جن پر آجکل اِس کا انحصار ہے۔ نہ دوسرے قوانین پر بلکہ اِس امر پر منحصر ہے۔ کہ آئین سازی موجود ہے۔ یعنی ایسے آدمی موجود ہیں۔ جن کو اِس قسم کے قوانین وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ جو خود اِن کے لئے مفید ہیں۔ اور جب تک لوگوں کو اِس قسم کا اختیار حاصل رہیگا۔ اس وقت تک غلامی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

زمانہ سابق میں لوگوں کے لئے یہ طریق فائدہ بخش تھا۔ کہ وہ غلاموں کے مالک ہوں۔ اِس لئے اُنہوں نے غلاموں کے لئے قوانین بنائے۔ اِس کے بعد اراضی کو اپنی ملکیت میں رکھنا۔ ٹیکسوں کا وصول کرنا۔ اور جن چیزوں کو چھین لیا جائے۔ اُن کو اپنی جائز ملکیت قرار دینا۔

فائدہ مند ثابت ہُوا۔ اِس لیئے اِن کے متعلق قوانین بنائے گئے۔ اب لوگوں کے لیئے یہ مفید ہے۔ کہ موجودہ رواجوں اور محنت کی تقسیم کو قایم رکھیں۔ اور وہ اِس قسم کے قوانین بنانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ جس سے لوگ تقسیم محنت کے اصول کے مطابق کام کرنے پہ مجبور رہوں پس غلامی کا بنیادی سبب آئین سازی ہے۔ یعنی یہ کہ ایسے آدمی ہر ملک میں موجود ہیں۔ کہ ان کو آئین سازی کا اختیار حاصل ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ آئین سازی کیا شے ہے۔ اور وہ کونسی طاقت ہے۔ جو لوگوں کو قوانین وضع کرنے کا اختیار دیتی ہے۔

(۱۱)

آئین سازی کی بنیاد تشدد منظم ہے

آئین سازی کیا ہے؟ اور قوانین وضع کرنے کا بعض لوگوں کو اختیار کس طرح حاصل ہوتا ہے؟

ایک اور قدیم علم موجود ہے۔ جو پولیٹیکل اکونومی (علم سیاست مدن) سے بھی زیادہ مبہم ہے۔ جس کے شائقین نے بہت سی صدیوں کے اندر لاکھوں کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ (جن میں سے اکثر میں ایک دوسرے سے متضاد خیالات ظاہر کیئے گئے ہیں، جن میں چند مسائل قانون پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ اِس علم کا موضوع علم سیاست مدن کے مانند

یہ نہیں ہے کہ اب کیا حالت ہے۔ اور کیا حالت ہونی چاہیئے۔ بلکہ یہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی غرض ہے۔ کہ جو حالت اس وقت موجود ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ اِس علم میں لوگوں کے حقوق اور حاکم اور محکوم اور سلطنت کے مفہوم کے متعلق بہت کچھ درج ہے۔ یہ باتیں نہ تو طالب علموں کی سمجھ میں آتی ہیں نہ اُستادوں کی۔ تاہم ان بے شمار کتابوں سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ آئین سازی کیا شے ہے ؎

علم سیاست مدن کی رو سے آئین سازی کسی ملک کے تمام آدمیوں کی خواہش کا اظہار ہے۔ لیکن جو لوگ قانون شکنی کرتے ہیں۔ یا جو قانون کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے محض خوف سزا سے باز رہتے ہیں۔ اِن کی تعداد بہ نسبت اِن لوگوں کے جو قانون بناتے ہیں۔ ہمیشہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو چاہتے ہیں۔ کہ ضابطہ کی تعمیل ہو۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ کہنا ہرگز دُرست نہیں کہ آئین سازی آدمیوں کی مرضی سے کی جاتی ہے ؎

مثلاً اس قسم کے قوانین موجود ہیں۔ کہ تار کے کھمبوں کو کوئی صدمہ نہ پہنچائے بعض آدمیوں کو سلام ضرور کرے۔ ہر ایک آدمی فوجی خدمت بجالائے یا جیوری کا ممبر بنے۔ بعض چیزوں کو خاص حدود کے باہر نہ لے جائے۔ اور اراضی کو کام میں نہ لائے۔ جو کسی دوسرے آدمی کی ملکیت خیال کی جاتی ہے۔ یا روپے اور دوسرے سکے مضروب نہ کرے۔ اور ان چیزوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ جو دوسروں کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں۔ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ؎

یہ تمام قوانین اور بہت سے دوسرے قوانین بہت پیچیدہ ہیں۔ اور اکثر قوانین مختلف ارادوں سے بنائے گئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں۔ جو تمام آدمیوں کی مرضی سے بنایا گیا ہو۔ یا سب کی مرضی کا مظہر ہو۔ البتہ ایک بات سارے قوانین کے متعلق مشترک ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی قانون کی پابندی نہ کرے۔ تو وہ لوگ جنہوں نے ان قوانین کو وضع کیا ہے۔ مسلح آدمیوں کو بھیجتے ہیں۔ اور وہ مسلح آدمی اس قانون کی متابعت نہ کرنے والے شخص کو مارتے پیٹتے ہیں اس کو آزادی سے محروم کر کے جیل میں ڈالدیتے ہیں۔ بلکہ بعض حالتوں میں مار بھی ڈالتے ہیں۔

جب کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی کے ایک حصہ کو ٹیکس کے طور پر دینا نہیں چاہتا۔ جس کا اُسے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ تو مسلح آتے ہیں اور جو کچھ مطالبہ کیا گیا ہے۔ وہ اُس سے وصول کر کے لے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ مزاحمت کرتا ہے۔ تو اُس کو زدوکوب کرتے ہیں۔ آزادی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور بعض دفعہ اُس کو مار بھی ڈالتے ہیں۔ اور یہی کیفیت اُس شخص کو پیش آئے گی۔ جو اُس زمین کو اپنے کام میں لانا شروع کرے۔ جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت سمجھی گئی ہے۔ اور یہی حالت اُس شخص کی ہوگی۔ جو اُن چیزوں کو کام میں لانا چاہے۔ جنہیں اُس کی ضرورت ہے۔ یا جن سے اُسے اپنے کام میں مدد لینی درکار ہے۔ اگر یہ چیزیں کسی دوسرے شخص کی ملکیت خیال کی گئی ہیں۔ تو مسلح آدمی آئیں گے اور جو چیز اُس نے لے لی ہے۔ اُس سے چھین لیں گے۔ اور اگر وہ مزاحمت کرے گا۔ تو اُس کو مارپیٹ کرینگے۔ اُس کو آزادی سے محروم

کر دیں گے۔ بلکہ مار ڈالینگے۔ اور ایسا ہی واقعہ اُس شخص کو پیش آئے گا۔ جو اُن لوگوں کی عزت نہیں کرتا۔ جن کی بابت حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہم اُن کا احترام کریں۔ اور یہی کیفیت اُس شخص کی ہوگی۔ جو اِس حکم کو نہیں مانتا۔ کہ وہ فوج میں بھرتی ہو۔ اور یہی حال اُس شخص کا ہوگا۔ جو سکّے مضروب کرتا ہے۔

غرضیکہ قوانین مجریہ میں سے ہر ایک قانون کی نافرمانی کے لئے سزا مقرر ہے۔ اور جو لوگ قانون بناتے ہیں۔ اُن کی طرف سے ہر ایک مجرم کو زدوکوب کیا جاتا ہے۔ جیل میں ڈالا جاتا ہے۔ بلکہ پھانسی پر بھی لٹکایا جا سکتا ہے۔

بہت سے آئین بنائے گئے ہیں۔ جو انگلینڈ اور امریکہ سے شروع ہو کر جاپان اور ٹرکی میں ختم ہوتے ہیں۔ جن کے مطابق لوگوں کو یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ اُن کے ملک میں جو قوانین وضع کئے گئے ہیں۔ وہ اُن کی مرضی سے بنائے گئے ہیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے۔ کہ نہ صرف مطلق العنان حکومتوں میں بلکہ اُن ملکوں میں بھی جو کہنے کو آزاد کہلاتے ہیں یعنی انگلینڈ۔ امریکہ۔ فرانس اور دوسرے ملکوں میں بھی قانون سب لوگوں کی مرضی سے نہیں بنائے جاتے۔ بلکہ وہ لوگ بناتے ہیں۔ جن کو اختیار حاصل ہے۔ اِس لئے قانون اِس قسم کے ہوتے ہیں۔ جو صاحب اختیار لوگوں کے لئے مفید ہوں۔ خواہ وہ بہت سے آدمی ہوں۔ یا ایک آدمی ہو اور ہر جگہ اور ہمیشہ قانون پر عملدرآمد اسی طرح کرایا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو دوسرے آدمیوں کی مرضی قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یعنی مارپیٹ سے۔ اور آزادی چھین لینے سے۔ اور قتل کرنے

سے ۔ کیونکہ اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا ۔

دوسرا طریقہ ناممکن ہے ۔ چونکہ قوانین ایک قسم کا مطالبہ ہوتے ہیں کہ بعض ضابطوں کی پابندی کرائی جائے ۔ اور چند ضابطوں کی پابندی کرنے کے لئے لوگوں کو مجبور کرنے کے واسطے (یعنی وہ کام کرنے کے لئے جو دوسرے لوگ اُن سے کرانا چاہتے ہیں) صرف یہی طریقہ کارگر ہو سکتا ہے ۔ کہ مارپیٹ سے اور قید کرنے سے یا بذریعہ قتل کام لیا جائے ۔

جبتک قوانین جاری ہیں ۔ اُس وقت تک وہ طاقت درکار ہے جو لوگوں کو اُن کی اطاعت کرنے پر مجبور کر سکے (یعنی دوسروں کی مرضی کی اطاعت کرنے کے لئے) اور یہی تشدد ہے ۔ سادہ تشدد نہیں ۔ جو لوگ غصہ کی حالت میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں ۔ بلکہ ایک ترتیب دادہ ۔ اور منظم تشدد جس کو وہ لوگ کام میں لاتے ہیں ۔ جن کو اختیار حاصل ہے ۔ تاکہ اُن قوانین کی پابندی کے لئے جو اُنہوں نے وضع کئے ہیں ۔ دوسرے لوگوں کو یہ طاقتور لوگ مجبور کر سکیں بالفاظ دیگر یہ کہ اپنی مرضی پوری کرا سکیں ۔

پس آئین سازی کا موضوع حاکم یا محکوم یا حقوق یا لوگوں کی مجموعی رائے کا غلبہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ اُس کا موضوع یہ ہے کہ جو لوگ منظم تشدد کام میں لاتے ہیں ۔ اُن کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ دوسروں سے جس طرح سے کہ وہ چاہیں اطاعت کرا دیں ۔

پس آئین سازی کی اصلی تعریف جو سب کی سمجھ میں آسکے ۔ یہ ہے ۔ قوانین وہ قاعدے ہیں جن کو وہ لوگ بناتے ہیں ۔ جو منظم تشدد

کے ذریعے اُن کو استعمال میں لاتے ہیں۔ اور جو لوگ اُن قاعدوں کی پابندی نہیں کرتے۔ اُن کے ساتھ مار پیٹ سے پیش آتے ہیں۔ اُن کی آزادی چھین لیتے ہیں۔ بلکہ مار بھی ڈالتے ہیں۔

یہ تعریف اِس سوال کا جواب ہے۔ کہ وہ کیا شے ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے لئے قوانین وضع کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اِسی کی وجہ سے قوانین جاری کرنا اور اُن کی پابندی کرانا ممکن ہے۔ یعنی منظم تشدد کی وجہ سے۔

(۱۲)

گورنمنٹیں کیا چیز ہیں؟
کیا گورنمنٹوں کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے؟

مزدوروں کی مصیبت ناک حالت کا سبب غلامی ہے۔ غلامی کا سبب آئین سازی ہے۔ اور آئین سازی کا انحصار منظم تشدد پر ہے۔

پس یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ لوگوں کی حالتیں صرف اِس صورت میں درست ہو سکتی ہیں۔ کہ منظم تشدد کو دور کیا جائے۔

لیکن منظم تشدد گورنمنٹ کا نام ہے۔ اور گورنمنٹوں کے بغیر ہم کس طرح گزارہ کر سکیں گے؟ گورنمنٹوں کے نہ ہونے کی صورت میں بالکل ابتری اور انارکی پھیل جائے گی۔ تہذیب کے تمام کارنامے

مٹ جائینگے - اور لوگ ابتدائی زمانے کے باشندوں کی طرح بالکل وحشی بن جائیں گے ۔

یہ خیال صرف اُن لوگوں کا نہیں ہے - جن کے لئے موجودہ حالت فائدہ بخش ہے - بلکہ اُن لوگوں کا بھی ہے - جن کے لئے موجودہ طریقے غیر مفید ہیں - لیکن وہ اِس کے اِس قدر عادی ہو گئے ہیں - کہ وہ سرکاری تشدد کے بغیر زندہ رہنا محال سمجھتے ہیں - یعنی کہ وہ یہ کہتے ہیں - کہ موجودہ حالتوں کو ہم کو بدلنا نہ چاہیئے - وہ کہتے ہیں - کہ گورنمنٹ کی تباہی سے بہت بڑی خرابیاں واقع ہوں گی - بلوے - ڈاکے - قتل عام طور پر شروع ہو جائیں گے - اور آخر کار بدمعاش آدمی صاحب اختیار ہو جائیں گے - اور تمام نیک انسانوں کو اپنا غلام بنا لیں گے - لیکن بلوے ڈاکے اور قتل ہوتے رہے ہیں - اور اب بھی ہوتے ہیں - پس یہ فرض کر لینے سے کہ موجودہ انتظام میں خلل پڑنے سے بلوے اور ابتری ظہور میں آئے گی - یہ ثابت نہیں ہوتا - کہ موجودہ انتظام اچھا ہے - موجودہ انتظام کو ذرا ہلاؤ - تو بڑی مصیبتیں پیش آئیں گی ۔

یہ بالکل ایسی بات ہے - کہ ایک ہزار اینٹیں جو ایک دوسرے کے اوپر چن کر دی گئی ہیں اگر تم ایک اینٹ کو چھو گئے - تو تمام اینٹیں گر پڑیں گی - لیکن یہ امر کہ ایک اینٹ نکا لنے سے یا ذرا دھکا دینے سے اینٹوں کا سارا انبار گر پڑے گا - اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اینٹوں کو اِس غیر طبعی حالت میں چننا دانائی کا فعل ہے - بلکہ بخلاف اِس کے یہ ظاہر ہوتا ہے - کہ اینٹوں کو اِس طرح سے نہیں چننا چاہیئے - بلکہ اُن کو اِس ترتیب سے رکھنا چاہیئے - کہ مضبوطی سے جمی رہیں - اور وہ

اِس طرح سے کام میں لائی جا سکیں۔ کہ سارا انبار منہدم نہ ہو۔ یہی حالت موجودہ انتظام حکومت کی ہے۔ انتظام حکومت نہایت مصنوعی اور غیر مستحکم ہے۔ اور یہ امر کہ ایک ذرا سا دھکا بھی اُس کو منہدم کر دے گا۔ نہ صرف یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ غیر ضروری ہے۔ بلکہ بخلاف اس کے یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ وہ کسی وقت میں ضروری تھا۔ اور اب سراسر غیر ضروری ہے لہٰذا نقصان دہ اور خطرناک ہے ؂

وہ اس وجہ سے نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ کہ سوسائٹی کے اندر جو خرابیاں موجود ہیں۔ وہ اُن کو کم کرنے یا اُن کی اصلاح کرنے سے قاصر ہے بلکہ اُن برائیوں کو مستحکم اور پائدار بناتا ہے۔ اور اُن برائیوں کو دلفریب شکل میں پیش کر کے حق بجانب ٹھیرانا چاہتا ہے ؂

اور ان نام نہاد خوش انتظام حکومتوں میں جہاں تشدد کے ذریعہ انتظام قائم رکھا جاتا ہے۔ لوگوں کی بہبودی کا دعوےٰ محض ایک دھوکہ ہے ؂

اور جھوٹی کہانی ہے۔ تمام فاقہ مست اور بیمار لوگ اِس پردے کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جس سے وہ دیکھے نہیں جا سکتے۔ لیکن یہ امر کہ ہم اُن کو نہیں دیکھتے۔ یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ بخلاف اِس کے جس قدر وہ زیادہ چھپائے جائیں گے۔ اُسی قدر اُن کی تعداد بڑھے گی۔ اور جو لوگ اُن کی حالتوں کے ذمہ دار ہیں۔ اُسی قدر اُن کے ساتھ زیادہ بیرحمی سے پیش آئیں گے۔ جو ٹھیک ہے کہ سرکاری کارروائیوں کے بند کرنے یعنی منظم تشدد کے روکنے سے ہماری زندگیوں میں جو بظاہر بیرونی بہبودی نظر آتی ہے۔ اُس کا

پردہ اُٹھ جائیگا۔ لیکن خلل اندازی اُس ابتری کا سبب نہیں ہوگی بلکہ جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں۔ اُن کو روشنی میں لائے گی۔

اب تک یعنی انیسویں صدی کے خاتمہ تک لوگ خیال کرتے تھے۔ کہ وہ گورنمنٹوں کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے لیکن زندگی بلندی کی طرف جا رہی ہے۔ اور زندگی حالتیں اور لوگوں کے خیالات بدل رہے ہیں۔ اور باوجودیکہ گورنمنٹوں نے یہ کوششیں کیں۔ کہ لوگوں کو اُس طفلانہ حالت میں ہی رکھا جاوے۔ جس میں کہ ایک مصیبت زدہ آدمی محسوس کرتا ہے۔ کہ اس کے لئے یہ بہتر ہے۔ کہ کسی آدمی سے اپنا دُکھ بیان کر سکے۔ تاہم لوگ خاصکر یورپ اور روس کے مزدوری پیشہ لوگ اِس طفلانہ حالت سے نکلے جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کی اصلی حالتوں کو انہوں نے سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

حکام کہتے ہیں۔ اگر تم موجودہ انتظام میں خلل ڈالو گے۔ تو ہمسایہ قومیں بھی چینی یا جاپانی ہمارے ملک کو فتح کر لیں گی لیکن لوگوں کے لیڈر کہتے ہیں۔ کہ ہم اخبارات پڑھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ کوئی ملک ہم پر چڑھائی کرنا نہیں چاہتا۔ اور صرف تم لوگ ہو۔ جو ہم پر حکومت کرتے ہو۔ جو کسی خاص غرض سے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک دوسرے کو برافروختہ کرتے ہو۔ اور پھر اپنی رعیت کی حفاظت کرنے کے بہانے سے جنگی جہاز اور توپ خانے اور فوجی ریلوے لائنیں بنانے کے لئے بھاری بھاری ٹیکس لگا کر ہم کو تباہ کرتے ہو۔ یہ چیزیں محض تمہاری خواہشوں اور شیخیوں کو پورا کرتی ہیں۔ اور پھر تم دوسرے ملکوں کے خلاف جنگ چھیڑتے ہو۔ جس طرح کہ آجکل امن پسند چینیوں کے ساتھ

چھڑی ہوئی ہے۔

تم کہتے ہو۔ کہ اراضی جائداد کی ہمارے فائدے کے لئے حفاظت کرتے ہو۔ مگر تمہاری حفاظت کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ کہ تمام اراضی مالدار جنٹک کمپنیوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ یا جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ کمپنیاں خود محنت یا کاشتکاری کا کام نہیں کرتیں۔ اور ہم لوگ یعنی لوگوں کی تعداد عظیم اراضی سے محروم ہو رہے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے غلام بن رہے ہیں......

. . . . جو خود کوئی کام نہیں کرتے۔ پس تم نے مع اپنے قوانین اراضی کے جائداد ارضی کی حفاظت نہیں کی۔ بلکہ اُن لوگوں سے زمین چھین رہے ہو۔ جو خود زراعت کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ تم ہر شخص کے لیے اس کی محنت کے ثمرات کی حفاظت کرتے ہو۔ لیکن دراصل تمہارا عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ تمام لوگ جو قیمتی چیزیں بناتے ہیں۔ وہ آپ کے حفاظتی اصولوں کی بدولت نہ صرف اپنی محنت کی پوری قیمت حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ عمر بھر اُن لوگوں کے مکمل طور پر ماتحت رہتے ہیں۔ جو کچھ کام نہیں کرتے۔

پس انیسویں صدی کے خاتمہ پر لوگوں نے اس طرح سے سمجھنا شروع کیا۔ اور اُس خواب غفلت سے جس میں کہ گورنمنٹوں نے اُن کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جلد جلد بیدار ہونے لگے۔ گذشتہ پانچ چھ سال کے اندر عام لوگوں کی عام رائے نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات میں بھی نہ صرف یورپ میں بلکہ ہمارے روس میں بھی حیرت انگیز طور پر بدل گئی ہے۔

کیا جاتا ہے۔ کہ گورنمنٹوں کے بغیر کالج اور مدرسے اور دوسرے پبلک انسٹی ٹیوشن جو سب کے لئے ضروری ہیں کس طرح چلیں گے۔

لیکن ہم ایسا فرض کیوں کریں۔ یہ خیال کیوں کیا جائے۔ کہ غیر سرکاری لوگ اپنی زندگی کا اپنے لئے انتظام نہیں کر سکتے جس طرح کہ سرکاری آدمی نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی انتظام کرتے ہیں بخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اکثر معاملات میں ہمارے زمانے کے لوگ اپنی زندگیوں کا انتظام حاکموں کے انتظام کی نسبت بدرجہا بہتر کرتے ہیں۔ گورنمنٹ سے ذرا سی بھی مدد لئے بغیر اور اکثر سرکاری دست اندازی کے باوجود لوگ ہر قسم کی سوشل تقریبوں کا انتظام کرتے ہیں۔ یعنی مزدوروں کی یونین۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں ریلوے کمپنیوں کی ہڑتالیں۔ اور سنڈیکیٹیں بناتے اور ان کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر پبلک کے کاموں کے لئے فنڈ جمع کرنے کی ضرورت ہو۔ تو ہم یہ کیوں فرض کر لیں۔ کہ آزاد لوگ تشدد کے بغیر رضاکارانہ طور پر ضروری چندے جمع نہ کریں گے۔ جس کا انتظام اب ٹیکسوں کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شے ہر شخص کے لئے مفید اور کارآمد ہو۔ یہ کیوں فرض کیا جائے۔ کہ عدالتیں تشدد کے بغیر نہیں ہو سکتیں۔ ایسے لوگوں کی معرفت تنازعات کا فیصلہ جن پر فریقین اعتماد رکھتے ہیں ہوتا رہا ہے۔ وہ ہوتا رہے گا۔ اور اس کے لئے تشدد کی ضرورت نہیں ہے۔ عرصہ دراز کی غلامی سے ہم عادی ہو گئے ہیں۔ کہ یہ بات ہم خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔ کہ تشدد کے بغیر کوئی انتظام ہو سکتا ہے لیکن اس میں ذرا بھی سچائی نہیں ہے۔

روس کے اشتراکی لوگ جو دور دراز علاقوں میں چلے جاتے ہیں جہاں گورنمنٹ اُن کا پیچھا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ خود اپنا انتظام کرتے ہیں خود اپنے پر ٹیکس لگاتے ہیں۔ عدالتیں قائم کرتے ہیں۔ اور پولیس مقرر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ خوشحال اور فارغ البال رہتے ہیں۔ جب تک کہ گورنمنٹ کا تشدد اُن کے انتظام میں خلل نہیں ڈالتا۔ اور اسی طرح یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ لوگ باہمی رضامندی سے اس بات کا فیصلہ نہ کر سکیں گے۔ کہ زمین کاشتکاری کے لئے اس طور پر حصہ رسد تقسیم کی جائے؛

میں اورال کے کاسکوں کو جانتا ہوں۔ جن کے ہاں اراضی کی پرائیویٹ ملکیت تسلیم نہیں کی جاتی۔ اور ان کی قوم میں اسقدر خوشحالی اور امن پایا جاتا ہے جو اور کسی سوسائٹی میں نہیں پایا جاتا۔ جہاں اراضی جائداد کی حفاظت تشدد کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ میرے خیال میں روس کے تمام کاشتکار جائداد اراضی کے اصول کو پسند نہیں کرتے۔ سرکاری تشدد کے ذریعہ اراضی جائداد کی حفاظت سے نہ صرف زمین کے تنازعے دور نہیں ہوئے۔ بلکہ بخلاف اس کے جھگڑے بڑھ گئے۔ اور اکثر حالتوں میں جھگڑے پیدا ہونے کا سبب یہی باتشدد حفاظت ہے؛

اگر اراضی جائداد کی حفاظت نہ کی جاتی۔ تو زمین کی قیمت بھی نہ بڑھتی۔ اور تنگ جگہ میں بہت سے آدمی رہنے پر مجبور نہ ہوتے۔ بلکہ آزاد زمین پر دور دور پھیل جاتے؛

کیونکہ دُنیا میں ابھی تک کافی زمین پڑی ہوئی ہے۔ لیکن

ارضی جائداد کے لئے ایک مسلسل کشمکش جاری ہے۔ اور یہ جنگ اُن ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔ جو گورنمنٹ اپنے قوانین کے ذریعہ مہیا کرتی ہے۔ اور اِس کشمکش میں صرف وہی لوگ شامل نہیں ہیں۔ جو زراعت کا کام کرتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو سرکاری تشدد میں حصہ لیتے ہیں۔ اور جن کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔

یہی حال اُن چیزوں کا ہے۔ جو محنت سے پیدا کی جاتی ہیں۔ ہر ایک چیز جس کو کوئی شخص اپنی محنت سے پیدا کرے۔ اور جس کو اُس چیز کی ضرورت ہو۔ اُس کی ہمیشہ رواج سے۔ عام رائے سے اور جذبات انصاف سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اور تشدد کے ذریعہ اُس کی حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لاکھوں ایکڑ جنگلات کی زمین کا ایک شخص واحد مالک ہوتا ہے۔ حالانکہ اِس کے قریب ہی ہزاروں آدمیوں کو ایندھن نہیں ملتا۔ کیا اُس اراضی کی حفاظت تشدد کے ذریعہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح فیکٹریاں اور ورکشاپ قائم ہیں جہاں مزدوروں کی کئی نسلوں کو دھوکا دیا گیا ہے۔ اور اب تک دیا جا رہا ہے۔ لاکھوں من بشل غلہ ایک شخص کی ملکیت ہوتا ہے۔ جو اِس کو دبا رکھتا ہے۔ تاکہ قحط کے وقت اُس کو گنے داموں بیچے۔ لیکن کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی کمینہ ہو۔ بجز ایک متمول شخص یا کسی سرکاری ملازم کے اُس شخص سے جس نے اپنی محنت سے اپنی فصل پیدا کی ہے۔ یا ایک گائے پالی ہے۔ جس سے وہ اپنے بچوں کے لئے دودھ حاصل کرتا ہے۔ یا اُس نے کوئی آلات اپنے استعمال کے لئے بنائے ہیں۔ ہرگز نہیں چھینیگا اگر کوئی ایسا شخص

ہو۔ جو کسی دوسرے شخص سے وہ چیزیں چھین لے۔ جو اُس نے بنائی ہیں
اور جس کی اُسے ضرورت ہے۔ تو ہر شخص کو اُس کے خلاف غصہ آئیگا۔
اور وہ اپنی کارروائی کو اپنے حق میں بہت کم مفید پائے گا۔ لیکن
ایسا بد اخلاق شخص۔ اُس صورت میں جبکہ جائیداد کی حفاظت
تشدد کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسا کام کر گزرے گا۔ عام طور پہ کہا
جاتا ہے۔ کہ اگر ملکیت اراضی کے حقوق دور کر دیئے گئے۔ اور محنت
کے ثمرات کے حقوق اڑا دیئے گئے۔ تو کوئی شخص کام کرنے کی تکلیف
نہ اُٹھائیگا۔ اور اس بات کی کیا ضمانت ہوگی۔ کہ جو چیز اُس نے
تیار کی ہے۔ اُس کو وہ اپنے قبضہ میں رکھ سکے گا۔ مگر ہماری رائے
اس کے بالکل خلاف ہے۔ حقوق جائداد کی تشدد کے ذریعہ حفاظت
کرنے سے لوگوں کی انصاف کے متعلق ضمیر بالکل کمزور ہوگئی ہے۔
اس لیئے یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ منظم تشدد کے
بغیر لوگ گزارہ نہ کر سکیں گے۔

بیشک یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ بیل اور گھوڑوں سے انسانوں کے
تشدد کے ذریعہ سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن انسانوں سے زبردستی
کام کیوں لیا جائے۔ اور وہ کام نہ فرشتے لیں۔ بلکہ اُن کے جیسے ہی
انسان لیں۔ آخر اُن لوگوں کا تشدد کیوں برداشت کریں۔ جو عین
وقت کے لیئے صاحب اقتدار ہیں۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے
کہ جو لوگ تشدد کرتے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کی نسبت جن پر وہ تشدد
کرتے ہیں۔ زیادہ عقلمند ہیں۔ جن پر تشدد کیا جاتا ہے۔
یہ امر کہ وہ لوگ انسانوں پر .... تشدد کرتے ہیں ظاہر

کرتا ہے۔ کہ وہ زیادہ عقلمند نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی نسبت بیوقوف ہیں۔ جو اُن کے تشدد کو برداشت کرتے ہیں۔ طاقت پر ہمت وہ لوگ اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ جن کے اخلاق اعلےٰ نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ لوگ گورنمنٹوں کے بغیر اور تشدد کے بغیر کس طرح رہیں گے۔ لیکن یہ سوال یہ ہے کہ لوگ اپنی سوشل زندگی کے تعلق کو تشدد کے ذریعہ کیوں قائم رکھیں۔ اور معقول رضامندی کے ساتھ کام کیوں نہ چلایا جائے ؛

دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ یا تو لوگ ذی عقل اور شائستہ ہیں۔ یا حیوان مطلق ہیں۔ اگر وہ حیوان مطلق ہیں۔ تو وہ سب کے سب حیوان ہیں۔ اور اُن کے درمیان ہر ایک بات کا فیصلہ تشدد کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ بعض لوگوں کو تو یہ حق حاصل ہو۔ کہ وہ تشدد کر سکیں۔ اور دوسروں کو یہ حق حاصل نہ ہو۔ اور اس صورت میں گورنمنٹیں تشدد کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اگر انسان ذوی معقول ہیں۔ تو اُن کے تعلقات کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہیئے۔ نہ کہ اُن لوگوں کے تشدد پر جو اتفاق سے صاحب اقتدار بن گئے ہیں۔ اور اس صورت میں بھی سرکاری تشدد حق بجانب نہیں ہو سکتا۔

(۱۴)

گورنمنٹیں کیونکر دور کی جائیں

غلامی قوانین کا نتیجہ ہے۔ اور قوانین گورنمنٹیں وضع کرتی ہیں۔ بس

لوگ محض اس صورت میں آزاد ہو سکتے ہیں۔ کہ گورنمنٹوں کو موقوف کیا جائے۔

لیکن گورنمنٹوں کو کس طرح موقوف کیا جا سکتا ہے؟

تشدد کے ذریعہ گورنمنٹوں کو دور کرنے کی تمام کوششوں کا آجتک یہ نتیجہ نکلتا رہا ہے۔ کہ معزول کردہ گورنمنٹوں کی جگہ۔ نئی گورنمنٹیں خود قائم ہو گئیں۔ اور اکثر سابقہ حکومتوں کی نسبت زیادہ بے رحم ثابت ہوئیں۔

قطع نظر ان کوششوں کے جو گذشتہ زمانوں میں گورنمنٹوں کے دور کرنے کے متعلق تشدد کے ذریعہ ہوئی ہیں۔ سوشلسٹوں کے اصولوں کے موافق سرمایہ داروں کی حکومت کے خاتمہ اور وسائل پیداوار کو مشترک ملکیت قرار دینے اور سوسائٹی میں جدید اقتصادی نظام پیدا کرنے سے بھی تشدد کو کسی نئی صورت میں برقرار رکھنا پڑے گا۔ اور اس کو انہیں ذرائع سے قائم رکھنا ہوگا۔ پس تشدد کو تشدد کے ذریعہ دور کرنے کی کوششوں میں نہ تو زمانہ گذشتہ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اور نہ آئندہ ہی لوگ تشدد سے چھٹکارا حاصل کر سکیں گے۔ اس لئے وہ غلامی کے بوجھ سے رہائی نہ پا سکیں گے۔

قطع نظر فہم اور جذبات تمام کے تشدد اس غرض سے کام میں لایا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف دوسروں کی مرضی پر کاربند ہونے کے لئے مجبور کیا جائے۔ دراصل کا نام غلامی ہے کہ تمہیں اپنی مرضی کے خلاف دوسرے لوگوں کی مرضی کے مطابق کاربند ہونے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جب تک لوگوں پر اس لئے تشدد کرنے کو

طریق جاری رہے تو لوگ دوسروں کی مرضی کے موافق کاربند ہونے کے لئے مجبور کئے جا سکیں۔ اس وقت تک دنیا میں غلامی موجود رہے گی۔

آگ کو آگ سے بجھانا

تشدد کے ذریعہ غلامی کو دور کرنا بالکل ایسا ہے۔ کہ آگ کو آگ سے بجھانے کی کوشش کی جائے۔ پانی کو پانی کے زور سے روکا جائے۔ اور ایک غار کو دوسرا غار کھود کر پُر کرنا چاہیں۔ پس غلامی کو دور کرنے کا ذریعہ بشرطیکہ ایسا کوئی ذریعہ ممکن ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نئے تشدد کی بنیاد رکھی جائے بلکہ ان ذرائع کو ظاہر کرنا چاہئے جن کی بدولت گورنمنٹوں کے لئے تشدد ممکن ہے۔ اور گورنمنٹوں کے تشدد کا امکان ہر ایک دوسرے تشدد کے مانند جو قلیل التعداد لوگ بہت سے آدمیوں پر کر سکتے ہیں۔ اس بات پر انحصار رکھتا ہے۔ کہ یہ قلیل التعداد آدمی مسلح ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی بڑی تعداد غیر مسلح۔ یا یہ کہ قلیل التعداد لوگوں کے پاس بہتر ہتھیار ہوتے ہیں۔ اور کثیر التعداد عوام الناس کے پاس کمتر درجہ کے ہتھیار ہوتے ہیں۔

جملہ فتوحات میں یہی حالت تھی۔ اسی وجہ سے یونانیوں اور رومانیوں اور نائٹوں اور پزاروں نے دوسری قوموں کو فتح کیا۔ اور اسی وجہ سے افریقہ اور ایشیا کی قومیں آجکل مغلوب کی جا رہی ہیں اور اسی طور سے تمام گورنمنٹیں امن کے زمانہ میں اپنی رعایا کو اپنے قابو میں رکھتی ہیں۔

جیسا زمانہ گزشتہ میں تھا۔ ایسا ہی اب ہے۔ کہ لوگ دوسرے

لوگوں پر اس وجہ سے حکمران ہیں۔ کہ بعض مسلح ہیں اور دوسرے لوگ غیر مسلح ۔

زمانہ قدیم میں جنگجو لوگ اپنے سرداروں کی ماتحتی میں بے پناہ لوگوں پر جا پڑتے تھے۔ اور اُن کو مغلوب کر کے لوٹ لیتے تھے۔ اور سب اپنی اپنی دلیری اور بیرحمی کے تناسب سے جو اس ڈاکہ زنی میں اُنہوں نے دکھلائی ہو۔ مال غنیمت کو آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ اور ہر ایک سپاہی کو صاف دکھائی دیتا تھا۔ کہ جو تشدد اس نے کیا ہے۔ وہ اُس کے لئے منفعت بخش ہے۔ اسی طرح اب مسلح آدمی (جو زیادہ تر مزدوری پیشہ لوگوں سے بھرتی کئے جاتے ہیں) بے پناہ لوگوں پر حملے کرتے ہیں جنہوں نے ہڑتال کی ہے یا کسی دوسرے ملک کے باشندے ہوں اور اُن کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ اور لوٹ لیتے ہیں (اُن کی محنت کے ثمرات سے اُن کو محروم کر دیتے ہیں) نہ صرف اپنے لئے بلکہ اُن لوگوں کے لئے بھی جنہوں نے دوسروں کو مطیع بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔

مگر فتحمندوں اور گورنمنٹوں کے درمیان فرق صرف یہ ہے۔ کہ حملہ آور ڈاکو غیر مسلح لوگوں پر حملے کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اطاعت قبول نہ کریں تو ہر طرح کی اذیتیں دیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں جبکہ گورنمنٹیں رعایا کی صورت میں خود غیر مسلح لوگوں کو اذیتیں نہیں دیتیں۔ اور اُن کو قتل نہیں کرتیں۔ بلکہ دوسرے آدمیوں کو ایسا کرنے کے لئے مجبور کرتی ہیں جن کو دام فریب میں لایا گیا ہے۔ اور اس کام کے لئے خاص طور پر بے رحم بنایا گیا ہے۔ اور اُن کو انہیں لوگوں میں سے چن کر رکھا جاتا ہے جن پر گورنمنٹ کو تشدد کرنا منظور ہے۔ پس زمانہ قدیم میں تشدد ذاتی کوششوں سے کیا جاتا تھا۔ ہمت اور بیرحمی اور اپنے فائدہ کے لئے

کیا جاتا تھا۔ مگر اب فریب کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔

وہ فریب کیا ہے؟

زمانہ سابق میں مسلح تشدد سے پیچھا چھڑانے کے لئے اگر یہ ضروری تھا کہ ہر شخص خود مسلح ہو۔ اور مسلح تشدد کا مقابلہ مسلح تشدد سے کیا جائے تو زمانہ حال میں جبکہ لوگ براہ راست تشدد کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ فریب سے مطیع بنائے گئے ہیں۔ تو تشدد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس فریب کی قلعی کھولی جائے۔ جس کے وسیلہ سے تھوڑے سے آدمی بہت سے آدمیوں پر تشدد کرنے کے قابل بن جاتے ہیں۔

وہ چالاکی یہ ہے کہ کثیر التعداد لوگ اپنے سابقہ جانشینوں سے جنہوں نے فتحمندی سے حکومت کی تھی اقتدار حاصل کرنے پر کثیر التعداد محکوم لوگوں سے یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ "تمہاری تعداد کافی ہے۔ مگر تم بیوقوف اور جاہل ہو۔ اور اپنے اوپر حکومت کرنے کے ناقابل ہو۔ اور نہ کچھ انتظام کرنا جانتے ہو۔ اس لئے سارے انتظامی معاملات ہم خود سرانجام دیتے ہیں۔ ہم بدیشی دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرینگے۔ اور تمہارے درمیان اندرونی امن قائم رکھیں گے۔ ہم تمہارے لئے عدالتیں قائم کرینگے۔ اور کالج اور مدرسے کھولیں گے۔ اور سڑکیں بنائینگے۔ ڈاک کا سلسلہ جاری کرینگے۔ اور ہر طرح سے تمہارے سود و بہبود کا خیال رکھیں گے۔ اور ان سب باتوں کے معاوضہ میں تم کو ہمارے چند معمولی سے مطالبات

پورے کرنے ہونگے۔ منجملہ ان کے یہ کہ اپنی آمدنی کا مختصر سا حصہ تم ہمارے حوالہ کر دو۔ اور اس کا خرچ کرنا ہماری مرضی پر چھوڑ دو۔ اور تم فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ جو خود تمہاری حفاظت اور انتظام کے لئے ضروری ہے ۔

اکثر لوگ ان مطالبات کو منظور کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے فوائد و نقصانات کا انہوں نے بخوبی موازنہ کر لیا ہے۔ ذ یہ غور کرنے کا تو انہیں موقع ہی نہیں ملا، بلکہ اس وجہ سے کہ اپنے روز پیدائش سے انہوں نے اپنے آپ کو انہیں حالتوں میں پایا ہے ۔

اگر بعض لوگوں کو شکوک پیدا ہوتے بھی ہیں۔ کہ آیا یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔ تو ہر شخص اپنے لئے جداگانہ طور پر سوچتا ہے اور اس کو خوف ہوتا ہے کہ اگر وہ ان حالتوں کے قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ تو اُسے تکلیف پہنچیگی ۔ ہر شخص اپنے فائدہ کو دیکھتا ہے۔ اس لئے ہر شخص چاروناچار منظور کر لیتا ہے کہ اپنی آمدنی کا مختصر سا حصہ گورنمنٹ کو ادا کرنے اور فوجی خدمت کر لینے سے وہ اپنے تئیں چنداں زیادہ نقصان نہیں پہنچاتا۔

لیکن جب روپیہ اور فوج حکمران جماعت یعنی گورنمنٹ کے ہاتھ آجاتی ہے۔ تو بجائے اپنے وعدے پورے کرنے کے کہ وہ اپنی رعایا کی بیرونی دشمنوں سے حفاظت کرے گی۔ اور ان کے فائدہ کے لئے ہر قسم کے انتظام کرے گی۔ وہ ہمسایہ قوموں کو اشتعال دیتی ہے تاکہ ان سے جنگ ہو۔ اور وہ بجائے اپنی رعایا کی بہبودی اور فارغ البالی پیدا کرنے کے اس کو برباد کرتی اور اخلاق خراب کر دیتی ہے ۔

الف لیلیٰ میں ایک سیاح کی کہانی درج ہے۔ جس کا گزر ایک

ویران جزیرہ میں ہؤا تھا۔ وہاں اسے ایک بڈھا آدمی ملا۔ جسکی ٹانگیں سوکھ گئی تھیں۔ جو ایک ندی کے کنارے زمین پر بیٹھا ہؤا تھا۔ بڈھے نے سیاح سے کہا۔ کہ مہربانی کرکے مجھے اپنے شانوں پر چڑھاکر ندی کے پار پہنچا دو۔ سیاح رضامند ہوگیا۔ لیکن جوں ہی کہ بڈھا اُس کے شانوں پر سوار ہؤا۔ اُس نے اپنی ٹانگوں میں اُس کی گردن دبا لی۔ اور اترنے کا نام نہ لیا غرضیکہ سیاح کو اس طرح قابو کرکے بڈھا جس طرف اُس کی مرضی ہوتی لیجاتا۔ درختوں سے پھل توڑتا اور اسے خود کھاتا۔ سیاح کو کچھ نہ دیتا۔ بلکہ جھڑکیاں اور گالیاں دیتا تھا۔

بعینہ یہ حال اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو روپیہ اور سپاہی اپنی گورنمنٹوں کو دیتے ہیں۔ اس روپیہ سے تو گورنمنٹیں توپیں اور بندوقیں خریدتی ہیں۔ اور غلامانہ اور وحشیانہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ فوجی افسر تیار کرتی ہیں۔ اور یہ کمانڈر انسانوں کو احمق بنانے کے ہنرمندانہ طریق سے جو صدیوں میں مکمل ہؤا ہے۔ اور جس کو ڈسپلن (انضباط) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اِن آدمیوں کی جو فوج میں بھرتی ہوتے ہیں۔ ایک منضبط فوج بنالیتا ہے۔ ڈسپلن اس کو کہتے ہیں۔ کہ جن لوگوں کو فوجی تربیت دیجاتی ہے۔ اور وہ کچھ عرصہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ اِن تمام خوبیوں سے جو انسانی زندگی میں قابل قدر ہیں۔ محروم ہو جاتے ہیں۔ اور جو انسان کی سب سے بڑی صفت ہے یعنی "آزادی" سے اور ایک مشین کے مانند اپنے اعلےٰ افسروں کے ہاتھ میں آلۂ قتل بن جاتے ہیں۔ اور اسی منضبط فوج کے اندر فریب کی روح چھپی ہوئی ہے جس کی بدولت زمانہ حال کی گورنمنٹوں کو اپنی رعایا پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ پس

جب گورنمنٹوں کے ہاتھ یہ آلہ تشدد و قتل و خونریزی آجاتا ہے۔ جس کی اپنی کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ تو ساری رعایا ان کے دست تصرف میں آجاتی ہے۔ اور پھر وہ اس کو اپنے پنجہ سے نہیں نکلنے دیتی۔ اور نہ صرف اس کو نوچتی رہتی ہے۔ بلکہ سخت سست بھی کہتی ہے۔ اور اس کو اس قسم کی تعلیم دیتی ہے۔ جس کی رعایا دل میں اس قسم کی بھگتی پیدا ہو۔ کہ وہ حکام کی نہ صرف وفادار ہے۔ بلکہ ان کی پرستش کرے۔ یعنی انہیں آدمیوں کی جنہوں نے تمام لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اور بے بس بنا رکھا ہے۔

ڈسپلن کی کیوں قدر کی جاتی ہے؟

یہ بات بلا وجہ نہیں ہے۔ کہ تمام بادشاہ اور شہنشاہ اور پریذیڈنٹ ڈسپلن کی حد سے زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اور انضباط میں ذرا سا فرق پڑنے سے بھی بہت گھبرا جاتے ہیں۔ اور فوجی پریڈ اور فوجی معائنہ مصنوعی جنگ اور قواعد اور سلاموں کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے ڈسپلن قائم رہتا ہے۔ اور ان کی تمام طاقت اور اقتدار بلکہ ان کی ہستی کا دار و مدار بھی اسی پر ہے۔

منضبط فوجیں ہی وہ آلہ ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ ہاتھ ہلانے کے بغیر بڑے سے بڑے ظلم کر سکتے ہیں۔ اور اسی سے ان کو لوگوں پر غلبہ حاصل رہتا ہے۔

پس گورنمنٹوں کو تباہ کرنے کا واحد ذریعہ طاقت نہیں ہے

بلکہ اِس فریب کی پردہ دری ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ عیسائی ممالک میں لوگوں کی ایک دوسرے سے حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہ لوگوں میں باہم دشمنیاں گورنمنٹیں ہی پیدا کرتی ہیں۔ نیز یہ کہ فوجوں کی ضرورت صرف ان قلیل التعداد لوگوں کو ہے۔ جو برسرِ حکومت ہوتے ہیں۔ اور عام رعایا کے لئے نہ صرف فوجیں غیر ضروری ہیں۔ بلکہ ان کے لئے حد درجہ نقصان دہ ہیں کیونکہ فوجوں کے ذریعہ ہی لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔

دوسرے یہ بات ضروری ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ ڈسپلن کی تمام گورنمنٹیں جو بیحد قدر کرتی ہیں۔ یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ جو انسان سے سرزد ہو سکتا ہے۔ اور گورنمنٹوں کی بدنیتی کا یہ صاف نشان ہے۔ ڈسپلن انسانوں میں عقل اور آزادی باقی نہ رہنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا بجز اس کے کچھ مقصد نہیں ہوتا کہ اُس کے وسیلہ سے ایسے ایسے جرم کئے جا سکتے ہیں جن کو معمولی حالت میں کوئی انسان نہ کرے گا۔

ڈسپلن جنگ کے لئے بھی ضروری نہیں ہے جبکہ جنگ اپنی حفاظت کرنے کے لئے یا قومی جنگ ہو۔ جیسا کہ حال میں بوئروں نے ثابت کر دیا۔ ڈسپلن تو صرف اسی مقصد کے لئے درکار ہوتا ہے۔ جو ولیم نامی جرمنی بادشاہ کا مقصد ہے یعنی دنیا میں سب سے بڑا جرم۔ دوسری قوموں کے خون کرنے اور غلام بنانے کے لئے۔

وہ ہولناک بڈھا جو سیاح کی گردن پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اُس نے بعینہٖ وہ عمل کیا۔ جو گورنمنٹیں کرتی ہیں۔ وہ سیاح کا منہ چڑاتا اور گالیاں دیتا اور مارتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک میں اِس کے کندھوں

پر سوار ہوں، اس وقت تک وہ میرے قابو میں ہے ٭

اور یہی فریب ہے جس کے ذریعہ سخت دل لوگوں کی قلیل تعداد کو جو گورنمنٹ کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ بے شمار آدمیوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے جو صرف ان کو لوٹتی ہے۔ بلکہ غضب یہ ہے کہ طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمام نسلوں کے اخلاق بگاڑ دیتی ہے۔ بس اس ہولناک فریب کو ظاہر کرنا چاہئے۔ تاکہ گورنمنٹوں اور غلامی کا جو اُنکا نتیجہ ہے۔ خاتمہ ہونا ممکن ہو ٭

ایک جرمن عالم سی یوجن سمتھ نے اپنے اخبار میں جو بوڈاپسٹ سے نکلا تھا ایک مضمون کے دوران میں لکھا ہے۔ کہ گورنمنٹیں اپنی ہستیوں کو اس بنیاد پر حق بجانب قرار دیتی ہیں۔ کہ وہ اپنی رعایا کے جان و مال کی اسی قدر حفاظت کرتی ہے۔ اور یہ بالکل کلیبریا کے اُن ڈاکوؤں کی مانند ہیں۔ جو اُن لوگوں سے ٹیکس وصول کیا کرتا تھا۔ جو سلامتی کے ساتھ سفر کرنا چاہتے تھے۔ سمتھ پر اس مضمون کے متعلق مقدمہ چلایا گیا تھا۔ لیکن آخر میں جیوری نے اس کو رہا کر دیا۔ گورنمنٹوں نے ہم پر ایسا جادو کر رکھا ہے۔ کہ اس قسم کی تشبیہ مبالغہ معلوم ہوتی ہے۔ یا مذاق ؟ لیکن فی الحقیقت نہ تو یہ مذاق ہے اور نہ مبالغہ ٭

بلکہ اس مقابلہ میں غلطی صرف اتنی ہے۔ کہ تمام گورنمنٹوں کی سرگرمیاں وکلیبریا کے رہزن کے مقابلہ میں زیادہ بیرحمانہ اور زیادہ مضرت رساں ہیں۔ اور وہ رہزن عام طور پر امیر آدمیوں کو لوٹتا تھا۔ اور گورنمنٹیں عموماً غریبوں کو لوٹتی ہیں۔ اور اُن امیر آدمیوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ جو اُن کو اُن کے جرائم میں مدد دیتے ہیں۔ رہزن اپنے کام میں اپنی جان جوکھم

میں ڈالتا تھا جبکہ گورنمنٹیں اِس قسم کی کوئی جوکھم نہیں اُٹھاتیں۔ بلکہ اُن کی ساری سرگرمی کا انحصار فریب پر ہے۔ رہزن کسی شخص کو اپنی جماعت میں شریک ہونے کے لئے مجبور نہیں کرتا تھا۔ لیکن گورنمنٹیں عام طور پر اپنے سپاہیوں کو بھرتی کرتی ہیں۔ وہ تمام لوگ جو رہزن کو ٹیکس دے دیتے تھے۔ وُہ یکساں طور پر خطرہ سے محفوظ ہو جاتے تھے۔ لیکن سلطنتوں کے اندر جو شخص اِس منظم فریب میں جس قدر زیادہ حصہ لیتا ہے۔ اُسی قدر نہ صرف اِس کی زیادہ حفاظت کی جاتی ہے۔ بلکہ اُس کو انعام بھی ملتا ہے تمام شہنشاہ اور بادشاہ اور پریذیڈنٹوں کی باڈی گارڈ حفاظت کرتے ہیں۔ اور ٹیکس دینے والی رعایا ٹیکسوں کے فراہم کردہ روپیہ کا بہت بڑا حصہ وہ خرچ کرتے ہیں۔ گورنمنٹوں کے جرائم میں حصہ لینے والے دُوسرے درجہ پر کمانڈر انچیف۔ وزرا۔ اعلےٰ افسران پولیس گورنران وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور آخر میں پولیس مین جن کو کہ سب سے کم تنخواہ ملتی ہے۔ جو لوگ گورنمنٹوں کے جرائم میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ جو اُن کی ملازمت کرنے۔ اور ٹیکس ادا کرنے۔ یا اُن کی عدالتوں میں جانے سے انکار کرتے ہیں۔ اُن پر تشدّد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکوؤں کے درمیان دستور ہے۔ ڈاکو اور رہزن عمداً لوگوں کے اخلاق کو نہیں بگاڑتے لیکن گورنمنٹیں اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے طفولیت سے لے کر بڑی عمر کے آدمیوں تک کی نسلوں کی نسلوں کے دماغ جھوٹے مظاہروں اور غلط حب الوطنی کی تعلیم سے بگاڑتی ہیں۔ سب سے بڑھکر یہ کہ بیرحمی اور بیہ دردی اور ایذا رسانی کی جدّت میں بیرحم سے بیرحم ڈاکو بھی اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میں اُن بادشاہوں کا ذکر نہیں کرتا۔ جو بیرحمی کے لئے

خصوصیت سے شہرت رکھتے تھے۔ مثلاً ٹیربیل۔ لوئی یازدہم اور ملکہ الزبتھ وغیرہ۔ بلکہ موجودہ آئینی اور لبرل گورنمنٹیں تک قید تنہائی کی سزا دیتی ہیں۔ اور لوگوں پر ظلم کرنے کے لئے فوجیں رکھتی ہیں اور نہایت ظالمانہ طریقہ سے بغاوتوں کو فرو کرتی ہیں۔ اور لڑائیوں میں قتل عام سے کام لیتی ہیں ٭

گورنمنٹوں اور پادریوں کے متعلق تقدس اور احترام کرنا پڑتا ہے جب تک کہ کوئی شخص بخوبی نہ سمجھ لے۔ کہ گورنمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اور یہ نہ مان لے۔ کہ مذہب کیا چیز ہے۔ لیکن جونہی کہ اُن پر منکشف ہو جاتا ہے۔ کہ یہ چیزیں مقدس اور محترم نہیں ہیں۔ بلکہ ایک دغا اور فریب ہے اور چند لوگ اُس کی راہنمائی کرنے کے بہانے سے اُس سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ تو وہ فوراً اُن لوگوں سے بیزار ہو جائیگا۔ لوگوں کا یہ خیال اس وقت ہوتا ہے جبکہ اُنہوں نے گورنمنٹوں کی حقیقت کو سمجھ لیا ہو ٭

لوگوں کو محسوس کرنا چاہئے۔ کہ گورنمنٹوں کی مجرمانہ سرگرمی میں انکو حصہ نہ لینا چاہئے۔ خواہ روپیہ دینے سے ہو۔ خواہ فوجی ملازمت سے یہ بے ضرر کام نہیں ہے۔ بلکہ خود اس کے لئے اور اُس کے بھائیوں کے لئے مضرت رساں فعل ہے۔ اور یہ اُن جرائم میں حصہ لینا ہے جو تمام گورنمنٹیں روزافزوں سرگرمی کے ساتھ سرانجام دے رہی ہیں اور جدید جرائم میں شرکت ہے۔ جن کو گورنمنٹ منظم فوجیں رکھ کر سرانجام دینے کی تیاری کر رہی ہیں ٭

باوجود تمام مینوئنگ اثرات کے جو گورنمنٹیں اپنی پوزیشن قائم رکھنے کے لئے کام میں لائی ہیں۔ گورنمنٹوں کے متعلق عزت و احترام کا

زمانہ روز بروز گزرتا جاتا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ لوگ اس بات کو سمجھ جائیں۔ کہ گورنمنٹیں نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ نہایت خلاف اخلاق انسٹیٹیوشن ہیں جن میں کسی دیانتدار اور خوددار شخص کو حصہ نہیں لینا چاہئے اور اس کے فوائد سے بہرہ ور ہونا مناسب نہیں ہے۔

جونہی کہ لوگ اچھی طرح اس بات کو سمجھ جائینگے۔ تو وہ قدرتی طور پر ان کاموں میں حصہ لینے سے باز آجائینگے۔ یعنی گورنمنٹوں کو روپیہ اور آدمی نہیں دینگے۔ اور جونہی کہ آدمیوں کی تعداد کثیر ایسا کرے گی۔ تو وہ فریب جس سے لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔ دُور ہو جائیگا۔ صرف اسی طریقہ سے نوع انسان غلامی سے آزاد ہو سکتی ہے۔

(۱۴)

ہر شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟

"لیکن یہ سب عام باتیں ہیں۔ اور خواہ یہ صحیح ہیں۔ یا غلط مگر زندگی میں ناقابل عمل ہیں۔" وہ لوگ ایسا کہیں گے۔ جو اپنی حالتوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور ان کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ اور ان کو تبدیل کرنا نہیں چاہتے۔

خوشحال جماعتوں کے لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ بتلائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اور سوسائٹی کو کس طرح منضبط کیا جائے؟

خوشحال جماعتوں کے لوگ دوسروں کو غلام بنائے رکھنے کے اسقدر

عادی ہو گئے ہیں کہ جب کبھی مزدوروں کی حالت کو دُرست کرنے کا سوال اُٹھتا ہے۔ تو وہ زمانہ سابق کے مانند اپنے غلاموں کو قابو میں رکھنے کے متعلق طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ انہیں دوسرے لوگوں پر جبر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور اگر وہ ان کے ساتھ سچ مچ بھلائی کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ جو بُرائی وہ اِس وقت کر رہے ہیں۔ اِس سے باز آجائیں۔ اور جو بُرائی وہ کر رہے ہیں۔ وہ بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مزدوروں کو غلاموں کی طرح کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اِس جبریہ مزدوری کے قائم رکھنے میں بھی حصہ لیتے ہیں . . . .

. . . . . اس لئے اِن کو اس سے باز آجانا چاہئے۔ مزدور لوگ بھی اپنی غلامانہ حالت کے اِس قدر عادی ہو گئے ہیں۔ کہ ان میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ اِن کی خرابی کا کارن یہ ہے۔ کہ آقا لوگ اُجرت کم دیتے ہیں۔ اور ذرائع پیداوار کے مالک ہیں۔ یہ بات اُن کے دماغ میں ہی نہیں آتی کہ ان کی دُکھتی کا سبب وہ خود ہی ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی حالت کو دُرست کرنا چاہیں۔ اور صرف اپنے ہی مطلب سے مطلب نہ رکھیں۔

اِن کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ وہ خود خرابی کا کارن بننے سے باز رہیں۔ خرابی کی بُنیاد یہ ہے۔ کہ وہ اپنی حالت کو دُرست کرنے کی آرزو رکھتے ہوئے وہی کام کرتے ہیں۔ جو انہیں غلامی میں رکھتا ہے یعنی مزدور لوگ ان عادتوں کے پورا کرنے کے لئے جو انہوں نے حاصل کر لی ہیں۔ اپنی انسانی شان اور آزادی قربان کر کے خلاف اخلاق اور

ذلت انگیز کام کرنے قبول کر لیتے ہیں۔ اور غیر ضروری اور مضرت رساں اشیاء بناتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ گورنمنٹوں کو قائم رکھتے ہیں۔ اِس طور سے کہ ٹیکس ادا کر کے اور فوجی ملازمت قبول کر کے اُن کے کاموں میں حصّہ لیتے ہیں ۔

حالت تب ہی دُرست ہو سکتی ہے کہ خوشحال جماعت اور مزدور دونوں یہ سمجھ لیں کہ اپنے فوائد کی حفاظت کرنے سے اصلاح ہرگز نہ ہو سکے گی ۔

سیوا کے لئے قربانی لازمی ہے۔ پس اگر لوگ سچ مچ اپنے بھائیوں کی حالت کو درست کرنا چاہتے ہیں۔ نہ کہ محض اپنے فائدوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ تو ان کو نہ صرف زندگی کے طریقوں کو بدلنے کے لئے تیار رہو جانا چاہیئے۔ جن کے وہ عادی ہو گئے ہیں۔ اور اِن فوائد سے جو انہیں حاصل ہیں دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ گورنمنٹوں کے خلاف کشمکش کرنے کے لئے بھی مستعد ہو جانا چاہیئے۔ نیز اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خلاف۔ اور گورنمنٹوں کے مطالبات منظور نہ کرنے سے جو تکلیفیں پیش آنی لازمی ہیں۔ اُن کے اُٹھانے کو بھی تیار ہو جائیں ۔

پس اِس سوال کا جواب کہ "ہمیں کیا کرنا چاہیئے"۔ بہت سادہ ہے۔ جو نہ صرف قطعی بلکہ ہر شخص کے لئے قابل عمل بھی ہے۔ اگرچہ ان لوگوں سے توقع نہیں ہو سکتی جو خوشحال جماعتوں کے مانند یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے پیدا نہیں ہوئے (کیونکہ وہ پہلے ہی سے دُرست ہیں) بلکہ دوسرے آدمیوں کو تلقین کرنا اور دُرست کرنا اُن کا فرض ہے۔ اور نہ اِن لوگوں سے کچھ اُمید ہو سکتی ہے۔ جو مزدوروں کے مانند یہ خیال کرتے

ہیں کہ قصور ان کا نہیں ہے بلکہ صرف سرمایہ داروں کا ہے کہ ان کی حالت اس قدر خراب ہے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دار لوگ جو چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ ان سے لے لی جائیں اور زندگی کی آسائشیں جو اب صرف امرا کو حاصل ہیں۔ اگر وہ سب کو حاصل ہو جائیں تو ساری خرابی دُور ہو جائیگی ۔

اس سوال کا جواب نہایت صاف قطعی اور قابل عمل ہے۔ کیونکہ اس شخص کی سرگرمی درکار ہے۔ جس پر ہم ہیں سے ہر شخص کو پورا پورا اقتدار اور اختیار حاصل ہے یعنی اپنے آپ کی۔ اور ضرورت صرف یہ ہے کہ ایک شخص خواہ غلام ہو یا آقا اگر سچ مچ نہ صرف اپنی بلکہ عام لوگوں کی حالت درست کرنی چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے۔ کہ وہ خود ایسا کام نہ کرے۔ جس سے وہ یا اُس کے بھائی غلام بنتے ہیں۔ اور اس خرابی سے باز رہنے کے لئے جو اس کے لئے اور اُس کے لئے مصیبت کا موجب ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی مرضی سے یا مجبور ہو کر گورنمنٹ کی سرگرمیوں میں کوئی حصّہ نہ لیں۔ یعنی نہ تو وہ سپاہی بنے۔ نہ فیلڈ مارشل نہ وزیر بنے۔ نہ ٹیکس کلکٹر۔ نہ گواہ بنے نہ جج نہ جیوری کا ممبر بنے نہ گورنر۔ نہ پارلیمنٹ کا ممبر۔ غرضیکہ کوئی بھی عہدہ جس کا تعلق تشدّد کے ساتھ ہو۔ قبول نہ کرے پہلی بات تو یہ ہے ۔

دوم یہ کہ اس شخص کو چاہیئے کہ وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر گورنمنٹوں کو ٹیکس ادا نہ کرے۔ اور جو روپیہ ٹیکسوں سے وصول ہو اس میں سے نہ تو تنخواہ لینا قبول کرے نہ پنشن نہ انعام اور نہ سرکاری انسٹی ٹیوشنوں کو استعمال میں لائے جو ان ٹیکسوں کی بدولت جاری ہیں۔ جو لوگوں پر

تشدد کر کے وصول کئے جاتے ہیں۔ یہ دُوسری بات ہے ۔

سوم یہ کہ جو شخص نہ صرف اپنی بہبودی کا خواہاں ہے ۔ بلکہ عام لوگوں کی بہتری کا خواستگار رہے ۔ اُس کو چاہیے کہ اپنے اراضی یا دیگر اشیاء کے قبضہ کے متعلق سرکاری تشدد کی امداد کا طلبگار نہ ہو۔ نہ اپنے اور اپنے عزیزوں کی حفاظت کے لئے مدد مانگے بلکہ اپنی اراضی اور اُس کی پیداوار اور دُوسرے لوگوں کی پیداوار کو حاصل کرے ۔ اس حد تک کہ دوسرے لوگ ان کا کسی سے مطالبہ نہ کریں ۔

لیکن بعض لوگ کہیں گے کہ اس قسم کی کارروائی محال ہے ۔ سرکاری معاملات میں کسی قسم کا حصہ لینے سے انکار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ زندہ رہنے سے انکار کر دیا جائے ۔ کیونکہ جو شخص فوجی خدمت سرانجام دینے سے انکار کرے گا وہ قید کر دیا جائیگا ۔ جو شخص ٹیکس ادا نہ کرے گا ۔ وہ مستوجب سزا ہو گا ۔ اور اس کی جائداد سے ٹیکس وصول کر لیا جائیگا ۔ جو شخص کوئی اور وجہ معاش نہیں رکھتا معہ اپنے اہل وعیال کے فاقوں سے مرجائیگا ۔ اور یہی حالت اُس شخص کو پیش آئیگی جو اپنی جائداد اور اپنی ذات کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ کی پناہ لینے سے انکار کریگا اور سرکاری انسٹی ٹیوشنوں کو استعمال میں نہ لانا اور ان چیزوں سے جن پر ٹیکس عائد ہیں ۔ کام نہ لینا سراسر محال ہے ۔ کیونکہ اکثر چیزوں پر ٹیکس لگے ہوئے ہیں ۔ علاوہ ازیں سرکاری ڈاک خانوں ۔ محکمہ تار اور سڑکوں وغیرہ سے محروم ہو جانا کس طرح ممکن ہے ۔

یہ دُرست ہے ۔ کہ زمانہ حال کے کسی آدمی کے لئے یہ دشوار ہے کہ وہ سرکاری تشدد میں بالکل حصہ لینے سے علیحدہ رہے ۔ لیکن اس

وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی زندگی اس قسم کی نہیں بنا سکتا۔ کہ کسی نہ کسی حد تک سرکاری تشدد میں حصہ نہ لے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی شخص کے لئے بھی یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ اپنے تئیں اس سے روز افزوں آزاد کرتا جائے بیشک ہر شخص میں یہ حوصلہ نہیں ہے۔ کہ جبریہ فوجی خدمت سرانجام دینے سے انکار کر دے۔ اگرچہ ایسے آدمی موجود ہیں۔ اور ہمیشہ موجود رہیں گے۔ تاہم ہر شخص اگر چاہے تو فوج میں برضا و رغبت خود بھرتی ہو نے۔ یا پولیس کی ملازمت جیسے عدالت یا محکمہ مال کی ملازمت سے باز رہ سکتا ہے۔ اور بڑی تنخواہ کی سرکاری ملازمت پر قلیل تنخواہ کی پرائیویٹ ملازمت کو ترجیح دے سکتا ہے ۔

ہر شخص میں یہ ہمت نہ ہوگی کہ اپنی جائداد اراضی سے دست بردار ہو جائے (اگرچہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایسا کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں) لیکن یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی جائداد پر قابض رہنا اصولاً غلط ہے۔ اور اس لئے وہ چاہے تو وہ اپنے قبضہ میں اراضی کو کم کر سکتا ہے ۔

ہر شخص میں یہ قدرت نہیں ہے کہ جو سرمایہ اس کے قبضہ میں ہو۔ اس کو تیاگ دے (مگر بعض لوگ ایسے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جو ایسا کرتے ہیں) ۔

ہر شخص کے لئے دشوار ہے کہ ان چیزوں کو کام میں نہ لائے۔ جن کی حفاظت تشدد کے ذریعہ کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ہر شخص اپنی ضروریات کو کم کر کے ان چیزوں سے بے نیاز ہوتا جائے جو دوسرے لوگوں کو حسد کا موجب ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر ایک سرکاری ملازم سرکاری

تنخواہ سے دست بردار نہیں ہو سکتا (اگرچہ ایسے آدمی موجود ہیں۔ جو بددیانتی کی سرکاری ملازمت پر فاقہ مستی کو ترجیح دیتے ہیں)۔

لیکن یہ امر ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ بجائے بڑی تنخواہ کے تھوڑی تنخواہ کی ملازمت قبول کرے تاکہ وہ ایسا کام کر سکے جس کا تشدد کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ اسی طرح اگرچہ ہر شخص سرکاری مدارس کو استعمال میں لانے سے انکار نہیں کر سکتا (اگرچہ بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ایسا کرتے ہیں) اور اگر چاہے تو ہر شخص پرائیویٹ مدارس کو ترجیح دے سکتا ہے۔ اور ہر شخص ان چیزوں کا استعمال رفتہ رفتہ کم کر سکتا ہے۔ جن پر ٹیکس لگا ہوا ہے۔ یا سرکاری انسٹی ٹیوشنوں سے کام لینے سے باز رہ سکتا ہے۔ موجودہ انتظام جو وحشیانہ طاقت پر مبنی ہے اور سوسائٹی کے اُس آدرش کے مابین باہمد گر رضامندی پر از روئے رواج منحصر ہوگی۔ بہت سے زینے ہیں جن پر نوع انسان چڑھ رہی ہے۔ اور اس معراج کے حاصل کرنے میں اسی حد تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ جس حد تک کہ لوگ تشدد میں حصہ لینے سے اپنے تئیں آزاد کرتے جائیں گے۔ اور عدم تشدد کے عادی ہوتے جائیں گے۔ اور تشدد سے فائدہ اٹھانے سے باز آتے جائیں گے۔

ہم نہیں جانتے اور پیش بینی نہیں کر سکتے۔ کہ گورنمنٹوں کا بتدریج کمزور ہوتے جانا اور عام لوگوں کی آزادی کس طریقہ سے حاصل ہوگی۔ اور نہ ہم جانتے ہیں۔ کہ نوع انسان کی زندگی کیا صورت اختیار کرے گی۔ جب کہ آزادی درجہ بدرجہ ترقی کرے گی۔ البتہ یہ ہم ضرور جانتے ہیں۔ کہ اُن لوگوں کی زندگی جنہوں نے گورنمنٹوں کی مجرمانہ اور

نقصان وہ سرگرمیوں کو سمجھ لیا ہے۔ اور ان سرگرمیوں میں حصّہ لیتے وہ بالکل نئی قسم کی ہو گی۔ اور وہ زندگی قواعد اور ہماری ضمیروں کے مطابق موجودہ زندگی سے بدرجہا بہتر ہو گی۔

آجکل تو لوگ سرکاری تشدّد میں حصّہ لیتے ہوئے اور اس سے مستفید ہوتے ہوئے ظاہر یہ کرتے ہیں۔ کہ اس کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن دراصل وہ پُرانے تشدّد کو نئے تشدّد سے دُور کرنا چاہتے ہیں۔

بڑی بات یہ ہے۔ کہ زندگی کا موجودہ انتظام خراب ہے۔ اس امر پر سب متفق ہیں۔ اور اُن بُری حالتوں اور موجودہ غلامی کا کارن وہ تشدّد ہے۔ جو گورنمنٹیں استعمال میں لاتی ہیں۔ اور گورنمنٹوں کے تشدّد دُور کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ لوگ تشدّد میں حصّہ لینے سے باز رہیں۔ اور خواہ یہ امر دشوار ہو یا آسان۔ گورنمنٹ کے تشدّد میں بالکل حصّہ نہ لے۔

اور یہ سوال کہ اس دست کشی کا نتیجہ جلدی برآمد ہو گا یا نہیں۔ غیر ضروری ہے۔ کیونکہ لوگوں کو غلامی سے آزاد کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہے۔

جب رضاکارانہ رضامندی اور رواج سے ہر ایک سوسائٹی میں اور ساری دُنیا میں تشدّد دُور ہو جائیگا۔ تو دنیا کا انتظام لوگوں کی ضمیر کی صفائی اور طاقت پر منحصر ہو گا۔ اور اُن لوگوں کی تعداد پر جو اس بیداری میں شامل ہوں گے۔ ہم میں سے ہر ایک فرد جداگانہ شخصیت رکھتا ہے۔ اور ہر ایک نوع انسان کی عام تحریک میں اس مقصد کو ذہن نشین

کر کے حصّہ لے سکتا ہے۔ یا یہ کہ وہ اس ترقی میں حائل ہو کر حصّہ لے سکتا ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی پسند کے موافق کام کرے۔ یا تو وہ خدا کی مرضی کی مخالفت کر کے اپنی مختصر زندگی کی عمارت ریت پر بنائے۔ یا خدا کی مرضی کے مطابق سچی زندگی کی غیر فانی اور ابدی تحریک میں شریک ہو ؛

ممکن ہے۔ کہ میں غلطی پر ہوں۔ اور انسانی تاریخ سے جو یہ نتائج نکالے گئے ہیں۔ یہ دُرست نہ ہوں۔ اور نوع انسان غلامی سے آزادی کی طرف حرکت نہ کر رہی ہو۔ اور ممکن ہے۔ یہ ثابت کیا جا سکے۔ کہ تشدد ترقی کا لازمی عنصر ہے۔ اور سلطنتی انتظام تشدد کے ساتھ زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ اور یہ کہ اگر گورنمنٹیں دُور کر دی گئیں۔ اور جان و مال کی حفاظت کا موجودہ طریقہ موقوف ہو گیا تو لوگوں کے حق میں بُرا ہو گا ؛

فرض کرو کہ یہ ٹھیک ہے اور جو دلیلیں میں نے بیان کی ہیں وہ غلط ہیں۔ لیکن نوع انسان کی زندگی کے متعلق عام طور پر غور کرنے کے ماسوا ہر شخص کو اپنی زندگی کا مسئلہ درپیش ہے۔ اور زندگی کے عام قوانین کے وچار سے قطع نظر ایک شخص کے لئے یہ امر محال ہے۔ کہ وہ اس کام کو کرے۔ کہ جس کو وہ صرف مضرت رساں خیال کرتا ہے بلکہ غلط سمجھتا ہے ؛

ممکن ہے۔ کہ دلائل سے یہ ثابت کیا جائے کہ سلطنتی انتظام افراد کی ترقی کا ایک ضروری جزو ہے۔ اور سرکاری تشدد سوسائٹی کے فائدے کے لئے ضروری چیز ہے۔ اور یہ باتیں تاریخ سے ثابت کی جائیں۔

اور کہا جائے۔ کہ یہ سب جائز ہے۔ تاہم ہمارے زمانہ کا ہر ایک دیانتدار اور راستباز آدمی جواب دے گا۔ کہ قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور میں اس دلیل کو تمام دلیلوں پر فوق دیتا ہوں۔ مجھ سے یہ مطالبہ کرنے میں کہ میں فوج میں بھرتی ہوں۔ اور سپاہیوں کے نوکر رکھنے اور مسلح کرنے اور توپیں خریدنے اور آہن پوش جہاز بنانے کے لئے میں ٹیکس ادا کروں۔

گویا کہ تم مجھے قتل کے کام میں شامل کرتے ہو۔ اور یہ میں نہیں کر سکتا۔ اور ہرگز نہیں کروں گا۔ اور نہ میں اُس روپے کو کام میں لاؤنگا۔ جس کو تم نے فاقہ مست لوگوں سے قتل کا خوف دلا کر وصول کیا ہے۔ اور نہ میں اس اراضی اور سرمایہ سے کام لوں گا۔ جس کی تم حفاظت کرتے ہو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ تمہاری حفاظت کا انحصار قتل پر ہے۔

میں یہ سب باتیں کرتا تھا۔ جس وقت کہ اُن کی مجرمانہ نوعیت کو نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن جب ایک دفعہ اس کو میں نے سمجھ لیا۔ تو پھر میں ان باتوں میں حصہ نہیں لے سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ہم سب تشدد کیساتھ اس طور سے وابستہ ہیں کہ اس سے بالکل پیچھا چھڑانا دشوار ہے۔ تاہم میں اُس میں حصہ نہ لینے کے لئے حتے الامکان ہر ایک کوشش کرونگا میں اُس میں اعانت نہ کروں گا۔ اور اُس چیز کا استعمال نہ کرونگا۔ جو قتل کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے۔ یا قتل کے ذریعہ جس کی حفاظت کی گئی ہے۔

میری صرف ایک جان ہے۔ تو پھر میں اپنی مختصر زندگی میں ضمیر کی

آواز کے خلاف کیوں عمل کروں - اور تمہارے قابل نفرت کاموں میں حصّہ دار بنوں - میں ایسا نہیں کر سکتا اور ہرگز نہیں کرونگا ۔

اِس کا کیا انجام ہوگا - میں نہیں جانتا - میں اتنا جانتا ہوں کہ جو کچھ میرا ضمیر تقاضا کرتا ہے - اُس پر عمل کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ۔

پس ہمارے زمانہ کے ہر ایک دیانتدار اور صادق انسان کو اُن دلائل کا جو گورنمنٹوں اور تشدد کی ضرورت کی بابت یا اُن میں حصہ لینے کے مطالبہ کی بابت پیش کی جائیں - جواب دینا چاہئیے ۔

پس عام دلیل سے ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں - ہر شخص کا اعلےٰ ترین جج یعنی اُس کی ضمیر کی آواز اس طور پر تصدیق کرتی ہے ۔

خاتمہ

لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اُس کو پڑھ کر بہت سے آدمی کہینگے کہ یہ تو وہی پُرانا وعظ ہے۔ کہ ایک طرف موجودہ حالتوں کو تباہ کرنا اور اُس کی جگہ کوئی شے قائم نہ کرنا۔ اور دوسری طرف سرگرمیوں کو معطل کرنے کی تلقین کرنا۔ وہ کہیں گے "کہ گورنمنٹوں کی کارروائیاں بُری ہیں۔ اسی طور پہ زمینداروں اور تاجروں کی۔ اور اسی طرح سوشلسٹوں اور انقلاب پسند انارکسٹوں کی سرگرمیاں خراب ہیں۔ یعنی تمام حقیقی عملی سرگرمیاں بُری ہیں۔ اور اچھی کیا بات ہے؟ ایک قسم کی اخلاقی۔ روحانی۔ غیر طبعی سرگرمی جس سے بالکل ابتری اور تعطل پیدا ہو جائے" کہ بہت سے سنجیدہ مزاج لوگ ایسا کہیں گے۔

لوگوں کو سب سے زیادہ پریشان کن یہ خیال نظر آتا ہے کہ تشدد کے بغیر جائداد کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ اور ہر شخص دوسروں سے جس چیز کی اُسے ضرورت ہو۔ یا اُسے پسند ہو۔ چھین لے گا۔ اور اُسے کچھ سزا نہ ملے گی۔ جو لوگ تشدد کے ذریعہ حفاظت جائداد کے عادی ہو گئے ہیں۔ اُن کے خیال میں حفاظت کے بغیر ہمیشہ بدامنی رہے گی۔ اور ہر شخص کے خلاف ایک مسلسل کشمکش جاری ہو جائے گی۔

جو کچھ کہ میں دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ یہاں اُس کا اعادہ نہ کرونگا

کہ تشدد کے ذریعہ جائداد کی حفاظت بدامنی کو کم نہیں کرتی۔ بلکہ بڑھاتی ہے۔

لیکن بالفرض حفاظت کی عدم موجودگی میں بدامنی واقع ہو۔ تو لوگوں کو برائیوں کے دُور کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

اگر ہم نے یہ سمجھ لیا ہو۔ کہ مےخواری سے ہمیں نقصان پہنچا ہے۔ تو ہم اعتدال کے ساتھ مےخواری کر کے اُس کا انسداد نہیں کر سکتے۔ اگر دوا کی دوا نہ کھائیں اور مےنوشی جاری رکھیں۔

اور یہی حال ہماری سوشل حالتوں کا ہے۔ اگر ہم نے سمجھ لیا ہے۔ کہ ہمارے درمیان یہ خرابی موجود ہے کہ بعض لوگ دوسروں پر تشدد کرتے ہیں۔ تو ہم موجودہ سرکاری تشدد کی مدد کر کے یا انقلاب انگیزی اور سوشلسٹ طریقوں کے نئے تشدد کے ذریعہ اس کا سدباب نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ لوگوں کی مصیبت کا بنیادی سبب صاف طور پر معلوم نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت تک ایسا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب یہ بات بلاکسی شک و شبہ کے عیاں ہو گئی۔ کہ لوگ اِس تکلیف میں ہیں۔ کہ بعض لوگ دوسروں پر تشدد کرتے ہیں۔ تو پُرانے تشدد کو جاری رکھ کر یا نئی قسم کے تشدد کو جاری کر کے حالت کا درست کرنا محال ہے۔ جس طرح کہ وہ شخص جو کثرت مےنوشی سے بیمار ہو۔ اُس کے صحت یاب ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ وہ شراب خواری سے پرہیز کرے۔ جو اس کی بیماری کا سبب ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کے ناقص انتظام سے لوگوں کو آزاد کرانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ تشدد سے پرہیز کیا جائے۔ تشدد کا

وعظ کرنے اور تشدد کو حق بجانب ٹھیرانے سے باز رہیں۔ کیونکہ سوسائٹی کی بیماری کا یہی سبب ہے۔

لوگوں کی تکلیفیں دور کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ اور ہمیں اسے اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ زمانہ حال کے ہر فرد واحد کی ضمیر کے یہ مطابق ہے۔ اگر ہمارے زمانہ کے کسی شخص نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ جان و مال کی حفاظت تشدد کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یعنی لوگوں کو قتل کرنے کی دھمکی دینے یا قتل کرنے سے۔ تو وہ ہرگز ٹھنڈے دل سے اس چیز کو استعمال میں نہیں لائیگا۔ جو قتل سے یا قتل کے خوف سے حاصل کی گئی ہے۔ اور وہ قتل کرنے یا قتل کی دھمکی دینے میں ہرگز حصہ نہیں لے گا۔ پس جس شئے کے لئے لوگوں کو اُن کی مصیبتوں سے آزاد کرانے کے لئے ضرورت ہے۔ اس کی بات ہر فرد انسان کے لئے کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ بہبودئ عامہ اور اس کی زندگی کے قانون کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ نہ تو وہ تشدد میں حصہ لے۔ نہ اُس کو حق بجانب ٹھیرائے۔ اور نہ استعمال میں لائے۔